بیاد

سلطان القلم حضرت علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ

اکابر کی روایتوں کا پاسدار، قدیم و جدید تحریروں کا حسین امتزاج

ماھنامہ

المناظر

مدیر

محمد سعید اللہ قاسمی مہراج گنجی

معاون مدیر

محمد فہیم قاسمی گورکھپوری

مرکز اشاعت

حکیم الاسلام لائبریری

بیلی پار، گورکھپور، یوپی، انڈیا

بیاد:۔سلطان القلم حضرت علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ

اکابر کی روایتوں کا پاسدار، قدیم وجدید تحریروں کا حسین امتزاج

ماہنامہ

جلد۲/　　شمارہ۴/

المناظر رابطہ نمبر/7905991793 ای میل:mahnamaalmanazir@gmail.com

مرکز اشاعت

حکیم الاسلام لائبریری بیلی پار، گورکھ پور، یوپی، پن نمبر ۲۷۳۴۱۳

آئینۂ اوراق

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ۔۔۔۔۔۔

انسان نیک کام کی آرزو اور خواہش کرتا ہے اور اسے کرنا بھی چاہئے، ایسی ہی ایک خواہش کا اظہار قارئین المناظر سے کیا تھا، کہ ربیع الاول کے شمارے کو اس ذات عالی کے تذکرے سے مزین کروں گا، جسے رب نے اپنا محبوب بنا کر انسانوں کی رہنمائی کے لئے اتارا، دو عالم کے لئے رحمت بنا کر کونین کو سجایا، پھر پر آشوب ماحول میں ایسے افراد کو اس ذات اقدس کے اردگرد جمع فرما دیا، جنہیں اپنے سر کی بازی لگانا اور اپنا سب کچھ اس ذات اقدس کے لئے قربان کرنا بالمقابل اس کے کہ اس عظیم ہستی کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے زیادہ آسان تھا۔ پھر وہ اطراف عالم میں راہ ہدایت سے برگشتہ اور بھٹکے ہوئے انسانوں کی راہنمائی کے لئے نکل کھڑے ہوئے، اور تھوڑے ہی عرصہ میں چہار دانگ عالم میں بسنے والے انسانوں کے قلوب رب کی معرفت سے چمکنے لگے، پیشانیاں اس کے سامنے سجدے کے لئے خم ہونے لگیں، زبان اس کے ذکر سے تر ہونے لگی، ہر طرف خدائے علیم وخبیر ہی کا تذکرہ اور اسی کا جلوہ نظر آنے لگا، لیکن خواہشوں کی تکمیل، ارادوں اور آرزؤں کا پورا ہونا میری تقدیر میں نہ تھا۔

سیرت نمبر کے لئے مضامین لکھنے والے اہل قلم حضرات کے پاس مضامین کی حصول یابی کا پیغام ارسال کر رہا تھا کہ خدا کا ایک ایسا امر اور فیصلہ آ پہنچا جس نے میری خواہشوں، آرزؤں اور تمناؤں کی تکمیل ہی نہیں؛ بلکہ میری ہنستی کھیلتی زندگی، خوشیوں اور مسرتوں لبریز دل کی دنیا، دیکھتے ہی دیکھتے غم والم کا آماج گاہ بن گئی، اور تھوڑی ہی دیر میں میرے لئے راتوں کو بیدار رہنے والی، دعائیں کرنے والی، فکر مند رہنے والی، خیال رکھنے والی شریک زندگی سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا گیا۔ اور اس بھری دنیا میں والدین، بھائی، اعزا واقربا کے باوجود تنہا اور بہت تنہا ہو گیا۔ (اللہ مرحومہ کے ساتھ اپنی شایان شان عافیت کا معاملہ فرمائے۔ آمین)

صفر المظفر کے بعد یہ شمارہ رمضان اور شوال کے مہینے پر مشتمل ہے، اس کی وجہ وہی نوشتہ تقدیر کا پورا ہونا ہے، ذہن وجسم اب بھی مفلوج ہے، وقت روز نئے مرہم رکھتا ہے۔ آپ حضرات سے اس مبارک مہینہ میں دعا کی درخواست ہے۔ کہ زندگی بہت مختصر بھی اور طویل بھی۔

اب ماہنامہ المناظر گزشتہ کی طرح اپنے وقت پر شائع ہوگا ان شاء اللہ۔

محمد فہیم قاسمی گورکھ پوری

معاون مدیر:۔ ماہنامہ المناظر

نعت

ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے!

سورج کے اجالوں سے، فضاؤں سے، خلا سے
چاند اور ستاروں کی چمک اور ضیا سے

جنگل کی خموشی سے، پہاڑوں کی انا سے
پرہول سمندر سے، پراسرار گھٹا سے

بجلی کے چمکنے سے، کڑکنے کی صدا سے
مٹی کے خزانوں سے، اناجوں سے، غذا سے

برسات سے، طوفان سے، پانی سے، ہوا سے
ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے

گلشن کی بہاروں سے، تو کلیوں کی حیا سے
معصوم سی روتی ہوئی شبنم کی ادا سے

لہراتی ہوئی باد سحر، باد صبا سے
ہر رنگ کے ہر شان کے پھولوں کی قبا سے

چڑیوں کے چہکنے سے تو بلبل کی نوا سے
موتی کی نزاکت سے تو ہیرے کی جلا سے

ہر شے کے جھلکتے ہوئے فن اور کلا سے
ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے

دنیا کے حوادث سے، وفاؤں سے، جفا سے
رنج و غم و آلام سے، دردوں سے، دوا سے

خوشیوں سے، تبسم سے، مریضوں کی شفا سے
بچوں کی شرارت سے تو ماؤں کی دعا سے

نیکی سے، عبادات سے، لغزش سے، خطا سے
خود اپنے ہی سینے کے دھڑکنے کی صدا سے

رحمت تیری ہر گام پہ دیتی ہے دلا سے
ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے

ابلیس کے فتنوں سے تو آدم کی خطا سے
اوصاف براہیم سے، یوسف کی حیا سے

اور حضرت ایوب کی تسلیم و رضا سے
عیسیٰ کی مسیحائی سے، موسیٰ کے عصا سے

نمرود کے، فرعون کے انجام فنا سے
کعبہ کے تقدس سے تو مرویٰ و صفا سے

تورات سے، انجیل سے، قرآں کی صدا سے
یٰسین سے، طٰہٰ سے، مزمل سے، نبا سے

اک نور جو نکلا تھا کبھی غار حرا سے
ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے

عتیق احمد جاذب

خاص کالم: بیاد۔ رفیقۂ حیات مرحومہ

نقوش رحمت قسط۲

سیرت نبوی ﷺ کا عقلی تصور

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

انسان کا عجیب عالم ہے گراوٹ پر آجائے تو دنیا کی ہر چیز کو سجدہ کرنے لگے اور انانیت پر آجائے تو ''انا ربکم الاعلی '' کا دعویٰ کرنے لگے، لیکن رسول پاک نے جو دعوت پیش کی اور جو انقلاب رونما کیا وہ انقلاب انسان کو اس کے صحیح مقام پر پہنچانا تھا۔ تعلیم دی کہ اے انسان نہ اتنا گھٹ کر کہ ہر چیز کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے اور نہ اتنا بڑھ کر خدا بن جائے۔ اے انسان تو ساری دنیا کا سردار اور تیرا سردار ساری دنیا کا خالق ہے۔ محمد ﷺ خدا کے پیغمبر اور بندے ہیں۔ یاد رکھ یہ نہ کہنا کہ رسول کی ضرورت نہیں ہے یہ بھی نہ کہنا کہ رسول خدا کا بیٹا ہے۔

نبی اور رسول ﷺ کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے اس لیے کہ جب دو متضاد چیزیں ہوتی ہیں۔ تو ان میں درمیانی ربط پیدا کرنے والی تیسری چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہڈی اور گوشت دو متضاد چیزیں ہیں ان کے تعلق کو پٹھے اور رگوں کے بغیر قائم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح روحانی قانون قدرت بھی یہ ہے کہ ایک طرف خدا کی ذات ہے اور دوسری طرف انسان درمیانی رشتہ کو قائم کرنے کے لئے کسی واسطے کی ضرورت ہے۔ اس کی سبیل یہ ہے کہ ایک انسان تمہاری طرح کا جو کہ تمہارے ساتھ کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا ہو جس سے کہ تم مانوس ہو، لیکن معصوم ہونے کی حیثیت سے امتیازی شان بھی رکھتا ہو وہی اس ربط کو قائم رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی معصوم ہستی خدا اور انسان کے درمیان رشتہ قائم کرنے والی ایک مضبوط کڑی ہے جسے ہم رسول، نبی یا پیغمبر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ دنیا قانون قدرت کی اس بات کو تسلیم کیے بغیر خدا سے کوئی رشتہ قائم نہیں کر سکتی۔

دنیا کی کوئی چیز تین حالتوں سے خالی نہیں ہے۔

(۱) آغاز

(۲) بتدریج ترقی کرنا

(۳)درجہ کمال

بچہ پیدا ہوتا ہے یہ اس کا آغاز ہے، پرورش پاتا ہے اور بڑھتا رہتا ہے یہ اس کے بتدریج ترقی کرنے کی حالت ہے۔ بچپنے میں اس کے لباس چھوٹے بنتے ہیں۔اس کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ لباس بھی بتدریج بڑے بنتے رہتے ہیں۔ جب جوانی پر پہنچتا ہے تو باپ کہتا ہے کہا اب تو صاحبزادے کے جسم پر میرے کپڑے بالکل ٹھیک ہوتے ہیں۔درجہ کمال کو پہونچنے کے بعد اس کا بڑھنا رک جاتا ہے ایسا نہیں ہوتا کہ بڑھتا ہی رہے اس لیے کہ یہی قانون قدرت ہے۔تاریکی کو دور کرنے کے لئے چراغ وجود میں آیا پھر شمع کافوری اور موم بتیاں ایجاد ہوئیں۔گیس آئی آخر میں بجلی نے آکر اپنی روشنی کا ایسا سکہ جمایا کہ کوئی نہ ٹھہر سکا،ستارے چمکتے ہیں، ہلال چاند کی پہلی رات کو نمودار ہوکر بتدریج ترقی کرتے کرتے چودہویں کی شب میں بدر کامل بن کر تمام عالم کو روشن کر دیتا ہے،مگر دنیا کہتی ہے کہ ابھی رات ہے ان میں سے کسی نے رات کو ختم کردینے والا انقلاب پیدا نہیں کیا،لیکن سورج کے نکلتے ہی دنیا بول اٹھتی ہے، انقلاب ہوگیا، یہ تو مادی دنیا کا انقلاب ہے،لیکن یاد رہے کہ روحانیت میں بھی یہی قانون قدرت کارفرما ہے۔انسانوں کی رہنمائی کے لئے آدم کا دیا جگمگایا نوح کی شمع کافوری روشن ہوئی۔

ابراہیم، موسیٰ بتدریج ترقی کرتے کرتے بدر کامل بن کر چمکے۔لیکن انسان کہتا رہا ابھی تو رات ہے یہ کب ختم ہوگی۔روحانیت کا آفتاب کب نمودار ہوگا۔قدرت آواز دیتی ہے دیکھ ذات محمدی ﷺ عالم وجود میں آگئی، آفتاب رسالت نکل آیا، انقلاب رونما ہوگیا، اب نہ کہنا کہ رات ہے، اس آفتاب رسالت کے بعد اب کوئی ماہتاب یا آفتاب نہیں ہوسکتا۔اس لیے کہ یہی قانون قدرت ہے،لیکن یاد رکھ کہ آفتاب عالم تاب کی تمازت سے بچنے کے لئے مئی، جون کے مہینوں میں گھر میں چھپ کر بیٹھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

لیکن آفتاب رسالت کو ہم نے سراج منیر بنایا ہے یہ آفتاب نور ہے۔آفتاب نار نہیں! اس میں کوئی ایسی تمازت نہ ہوگی کہ جس سے تجھے بچنے کی ضرورت ہو۔اس سے جتنا بھی کسب نور کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ جب دنیا میں تشریف لائے۔تین قسم کی غلامی کارفرما تھی۔

(۱) خرید وفروخت کی

(۲)ذات ونسل کی

(۳)اقتصادی زندگی کی

آپ ﷺ نے ہندوستان، رومۃ الکبری اور ایران کو دیکھا اعلان کیا کہ کوئی غلام نہیں ہے۔ آقا سوائے خدا کے کوئی نہیں ہے۔غلاموں کو برابری کے درجہ پر لانے کے لئے ہدایت کی کہ جو تم کھاؤ ان کو کھلاؤ۔ جو تم پیو وہ انہیں بھی پلاؤ۔ جو تم پہنو وہ انہیں بھی پہناؤ۔غلامی کو ختم کرنے کے لیے یہ طریقہ ایجاد کیا کہ جب کوئی گناہ سرزد ہو تو غلام آزاد کرو۔

دوسرے قسم کی غلامی ذات ونسل کے لحاظ سے تھی، جسے اونچ اور نیچ کے نام سے ہم اور آپ ہندوستان میں دیکھ رہے ہیں۔ پیشہ ور نسلی طور پر ذلیل سمجھتے جاتے، وہ چاہے جیسا نیک کام کریں، مگر اونچے خاندان میں جو پیدا ہوا ہے، حالانکہ بدکاری بھی کرتا ہے؛ لیکن اونچا ہے۔مگر رسول اکرم ﷺ نے کہا کوئی اونچ نیچ نسلی اعتبار سے نہیں ہے۔ برادریاں صرف جان پہچان کے لئے ہیں یہ امتیاز گھمنڈ کا اظہار کرنے کے لئے نہیں ہے۔اللہ کے نزدیک وہی بندہ اونچا ہے جو پاک باز ہے، وہ چاہے جس نسل اور خاندان سے ہو۔ چودہ سو برس گزر گئے، آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ریفارمر اس اونچ نیچ کو ختم کرنے کے لئے قانون بناتے ہیں۔

گویا اتنے عرصہ کے بعد آج دنیا کو ماننا پڑ رہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اونچ نیچ کے بارے میں جو بات پیش کی تھی، وہ صحیح تھی۔ یورپ میں چرچ کے اندر انجیل کی تعلیم اگر کوئی کالا حاصل کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا ہے۔لیکن مسلمان ہو کر اگر کوئی بھی مسجد کی اگلی صف میں آکر بیٹھ جاتا ہے تو کسی سید کی بھی یہ مجال نہیں کہ اسے وہاں سے اٹھا سکے۔

آج اس امتیاز کو دور کرنے کے لئے پارلیمنٹ میں کوئی قانون بنتا ہے تو میں کہوں گا کہ ماننا ہوگا۔رسول اکرم ﷺ کو جنہوں نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ ”اے لوگوں گواہ رہو کہ ساری دنیا کے انسان بھائی بھائی ہیں“۔ یہ درس ہمارے رسول نے دیا۔ دنیا میں انقلاب پیدا کیا اور غلامی کی نسل سے چھٹکارا دیا۔ ہر میدان میں ہر دولت مند کو غریب آدمی کے مار ڈالنے کا حق تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے قیصر روم ہرکلیوس (ہرقل اعظم) کو خط لکھا کہ سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت قبول کرلے۔اے بادشاہ اسلام قبول کرلے تو محفوظ رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دگنا اجر دے گا ورنہ تیری رعایا کا گناہ بھی تیرے ذمے پڑے گا۔

اسی طرح ملک شام میں منذر بن حارث غانی، ایران کے بادشاہ خسرو پرویز، مصر کے والی مقوقس، حبش کے نجاشی اور فرماں روائے بحرین منذر بن سادی، الغرض بے شمار ممالک کے بادشاہوں تک اپنے خطوط بھیجے اور جہاں تک پیغام رسانی کا تعلق تھا اپنا فرض یوں انجام دیا تا کہ دنیا پیغام الٰہی سے آگاہ ہوکر اونچ نیچ اور طبقاتی جنگ کو ختم کردے۔

عورتوں کی جو حالت تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ''کارلائل'' کا کہنا ہے کہ بعثت کے قریب پادریوں میں بحث تھی کہ عورت انسان ہے کہ نہیں؟ کئی دن کی بحث کے بعد انسان تو مانا، لیکن یہ فیصلہ کیا کہ یہ مردوں کا کھلونا ہے۔ ایران میں زردشت کی تعلیم ختم ہو چکی تھی، جب آپ کی بعثت ہوئی تو وہاں عورت نہ کسی کی ماں تھی نہ کسی کی بیٹی۔ صرف عورت مانی جاتی تھی گویا کوئی امتیاز نہیں تھا، عورت کی کوئی عزت نہ تھی۔ لڑکی پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کردی جاتی تھی۔ ہندوستان میں عورتوں کو اپنے مردہ شوہر کے ساتھ خواہ دو دن کی بیاہی کیوں نہ ہوتی ستّی ہوجانا پڑتا تھا۔ عورت کی جگہ جگہ ذلت تھی؛ لیکن رسول اکرم ﷺ نے وراثت میں سب کو شریک کیا، مرد کا دوہرا اور عورت کا اکہرا حصہ اس لیے رکھا کہ باپ لڑکے کو پڑھاتا لکھاتا ہے تاکہ وہ خوشگوار زندگی گزار سکے اور میری خدمت بھی کر سکے کوئی باپ بیٹے کو مصیبت میں مبتلا ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ بیٹا باپ کی قوت بازو ہوتا ہے۔

لڑکا اپنی، اپنے والدین اور اپنے بیوی بچوں کی کفالت کرتا ہے اس لیے اس کا دوہرا حصہ رکھا اور لڑکی صرف اپنی ہی کفیل ہے اور شادی کر کے دوسرے کی کفالت میں جا سکتی ہے اس لیے ازروئے انصاف اس کا اکہرا حصہ رکھا عورت اور مرد میں منصفانہ حقوق قائم کرنے کے ساتھ رسول اکرم ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ عورت گھر کی زینت ہے، وہ ضرورت پر پردہ حیا کے ساتھ باہر بھی نکل سکتی ہے؛ لیکن کلب کی رونق نہیں بن سکتی۔ اسی کا نام اعتدال کی راہ اور صراط مستقیم ہے۔ پہلے بیوہ کو نکاح کی اجازت نہ تھی۔ مرد کو دس گیارہ شادیاں کرنے کا حق ہوتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا فطرت انسانی کے بالکل خلاف ہے کہ مرد تو عورت کے مرنے پر شادی کرے اور عورت مرد کے مرنے پر نہ کر سکے۔ ہر مرتبہ بیوہ ہوجانے پر عورت کو نکاح کرنے کا حق ہے اور مرد بیک وقت اگر انصاف قائم نہیں رکھ سکتا ہے تو چار کا حق رکھتے ہوئے بھی ایک سے زائد شادی نہیں کر سکتا۔ طلاق کے مسئلے میں رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ اگر آپس میں جھگڑا ہوجائے تو درگزر سے کام لو، طے نہ ہونے پر عزیز داروں کے فیصلہ کو تسلیم کرو۔ اگر پھر بھی مسئلہ حل ہوتے نظر نہ آئے تو طلاق دے دو؛ مگر جو کچھ دے چکے ہو

واپس نہ لو۔بشرطیکہ وہ خوشی سے واپس نہ کردے۔

دنیا نے طلاق کا مذاق اڑایا۔لیکن سترہویں صدی میں یورپ نے وراثت اور اٹھارہویں صدی میں طلاق کو قانونی حیثیت دے کر رسول اکرم ﷺ کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کردی۔آج بیسوی صدی میں ہندوستان بھی ہندو کوڈبل پیش کر کے وراثت اور طلاق کو تسلیم کر چکا ہے۔رسول اکرم ﷺ کے چودہ سو برس پہلے کا دیا ہوا درس آج دنیا کو دہرانا پڑ رہا ہے۔درحقیقت رسول اکرم ﷺ نے منصفانہ انقلاب پیدا کیا۔دنیا رفتہ رفتہ آپ ہی کے بتائے ہوئے راستہ پر آ رہی ہے۔

چاروں طرف بڑی بڑی حکومتیں ہیں،سرمایہ دار اور غریب دو طبقہ میں تقسیم ہے،سرمایہ دار عیش کر رہا ہے اور غریب نان شبینہ کو محتاج ہے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے سرمایہ دار، تجھے اپنی رقم کا چالیسواں اور کاشت کا دسواں حصہ غریب کو بلا کسی جھجک کے دینا پڑے گا؛اگر کوئی غریب نہیں ملتا ہے خلیفہ کے پاس جمع کر دینا ہوگا تاکہ غریب بھی جیتا ہے اور وراثت کے ذریعہ دولت قائم نہ رہ کر تقسیم ہوتی رہے۔رسول اکرم ﷺ نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔آپ کا ارشاد ہے کہ پریشان حال کو قرض اگر دو تو احسان کر کے نہ دو،اس کی بے کسی سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔جو سود کھاتا ہے وہ خدا کو چیلنج کرتا ہے۔ جوئے کو بھی حرام قرار دیا۔جس کے نتائج سے دنیا واقف ہے۔ جاری۔۔۔۔

☆۔۔☆۔۔☆

صفحہ نمبر/۲۹ کا بقیہ تو مسافر آخرت کو بھی اس دنیا کی گذرگاہ سے اسی نزاکت واحتیاط سے گذرنا ہے کہ سارے حقوق دنیوی بھی ادا کرے اور پھر دنیوی آلائشوں سے اپنے دامن کو بچاتا ہوا صحیح سلامت اپنی منزل کو جا پہنچے۔دیکھ لی آپ نے عارفانہ نظر کی خوبی وکرامت؟فرش کو عرش تک پہنچا دیا،مجاز کو حقیقت کر دکھایا،اور پھر کس سادگی کے ساتھ اور کس دل نشین پیرایہ میں۔یہ تھا مولانا کا رنگ،اصطلاحی بولی میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ بحیثیت مجموعی وہ ''چشتی لون'' کی ایک بہترین مثال اور صحیح ترین مثال تھے۔نوراللہ مرقدہ وقدس اللہ سرہ۔

صدق:۔غیر معمولی فطانت و ذہانت اور حیرت انگیز قوت استنباط سے قطع نظر، خالص اخلاقی ودینی دائرہ کے اندر مولانا گیلانیؒ کا سب بڑا اور نادر وصف ان کی یہی بے نفسی تھی،جس کی نظیر ان کے معاصرین میں مشکل ہی سے مل سکے گی،اور صاحب مضمون قابل داد ہیں کہ انہوں نے صحیح تصویر کشی بغیر کسی مبالغہ کے کردی۔

رمضان،نزولِ رحمت کامہینہ☆

محمد فہیم قاسمی گورکھپوری

عنقریب وہ ماہ مبارک ہم پر سایہ فگن ہونے والا ہے جو مسلمانوں کے دلوں میں فرحت و مسرت کے قمقمے روشن کر دیتا ہے، قلب وجگر میں نیکیوں پر آمادگی کے ساز بجانے لگتا ہے، روح اپنی غذا کے لئے پر شوق ہو جاتی ہے۔ جس مہینے کے بارے میں مسلمانوں کا یقین ہے کہ اس مبارک مہینے میں خدا کی الطاف وعنایات بارش کی طرح برستی ہیں، گناہوں سے خلاصی اور معافی عطا کی جاتی ہے، شر ور وفتن سے بچنے کی توفیق ملتی ہے، جنت کو مؤمنین کے لئے آراستہ کر کے اس کے دروازے کھول دیئے جاتے ہے، اور شیطان کو پابند سلاسل کر کے قید کر دیا جاتا ہے، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، نیکیوں کے ثواب میں کئی گنا اضافہ کر دیا جاتا ہے جب کہ گناہوں کی سزا عام دنوں کی طرح رہتی ہے۔ اور اسی مہینے مبارک کے اندر کتاب ہدایت کو نازل فرمائی اور اسی مہینے میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو فتح مبین نصیب فرمائی۔

روزے کا مقصد

اللہ تعالی نے انسان کو روحانیت اور حیوانیت کا نسخہ جامعہ بنایا ہے، اس کی جبلت وہ سارے مادی اور سفلی تقاضے بھی رکھے ہیں، جو دوسرے حیوانوں میں ہوتے ہیں، اور اسی کے ساتھ اس کی فطرت میں روحانیت کا وہ نورانی جوہر بھی رکھا ہے، جو ملأ اعلی کی خاص دولت ہے، انسان کی سعادت کا مدار اس پر ہے کہ اس کا یہ روحانی جوہر حیوانی عنصر پر غالب اور حاوی رہے، اور اس کو حدود کا پابند رکھے، اور یہ جبھی ممکن ہیکہ بہمیت پہلو ملکوتی پہلو کی فرماں برداری اور اطاعت شعاری کا عادی ہو جائے، اور اس کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرے، روزے کا ریاضت کا خاص مقصد یہی ہے کہ اس کے ذریعہ بہیمیت کو اللہ کے احکام کی پابندی اور روحانی تقاضوں کی تابعداری وفرماں برداری کا خوگر بنایا جائے اور چونکہ یہ چیز نبوت کے خاص مقاصد میں سے ہے، اس لئے تمام پہلی شریعتوں میں بھی روزے کا حکم رہا ہے، ارشاد پاک ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيكُمُ الصيام كما كتب على الذين من قبلكم

☆ گذشتہ سال یہ مضمون ''ماہنامہ آئینہ مظاہر'' کے لئے لکھا گیا تھا۔

لعلکم تتقون (البقرہ : ۱۸۳)

ترجمہ:۔اے ایمان والوں تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے ہیں، تاکہ تمہارے اندر پرہیزگاری پیدا ہو۔

لعلکم تتقون میں روزوں کی حکمت کا بیان ہے، یعنی اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ تم میں تقوی پیدا ہو، روزہ رکھنے سے عادت پڑے گی نفس کو اس کے متعدد تقاضوں سے روکنے کی اور وہی بنیاد ہے تقوی کی۔

روزہ کی مشروعیت کی دو حکمت

(۱) روزوں سے بہیمیت کا زور ٹوٹتا ہے، جب بہیمیت منہ زور ہوجاتی ہے تو وہ ملکیت کے احکام کو ظاہر ہونے کا موقع نہیں دیتی۔اس وقت بہیمیت کا زور توڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔بہیمیت کو تین چیزیں قوی کرتی ہیں، کھانا، پینا، شہوانی لذتوں میں منہمک ہونا، یہ تینوں چیزیں روزہ کے اندر بالکل ممنوع ہوجاتی ہیں۔

(۲) روزوں کے ذریعہ بہیمیت کو ملکیت کا تابعدار بنانا مقصود ہے، شریعت کا منشاء یہ نہیں ہے کہ بہیمیت نابود ہوجائے، وہ ایک فطری امر ہے، اور فطری چیزیں ختم نہیں ہوسکتیں، مقصود صرف اس کو ملکیت کے تابعدار اور فرماں بردار بنانا ہے۔(رحمۃ اللہ الواسعہ رج ۴رص ۱۰۳)

فضیلت، حکمت، افادیت، ہوائے نفسانی کے روکنے میں کوئی عمل روزے کے مثل نہیں ہے کیوں کہ روزہ رکھنے کا مقصد تقوی کا حصول ہے۔

ماہ رمضان کی فضیلت وعظمت

اللہ تعالی نے اس عالم کو پیدا فرمایا، اس میں انسانوں کو بسایا، اوران کے رہنے کے لئے جگہ متعین فرمائی، رات اور دن کو ظاہر فرمایا، انسانوں کی ہدایت کے لئے کئی کتابیں نازل فرمائیں، تمام انسانوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت ومرتبت حاصل ہے، تمام کتابوں پر قرآن مجید کو افضلیت حاصل ہے اور لیلۃ القدر کو تمام راتوں پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہے، اسی طرح رمضان المبارک کو تمام مہینوں پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔

عن عبد اللہ ابن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال الصیام والقرآن یشفعان للعبد.

میدان محشر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے، قرآن بھی اپنے قاریوں

کے لئے شفاعت کا طلبگار ہوگا، وہیں رمضان اپنے روزہ رکھنے والوں کی شفاعت کا طلبگار ہوگا۔

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنة و غلقت ابواب جهنم و سلسلت الشياطين و فی رواية ابواب الرحمة.

ترجمہ:۔حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں، ایک روایت میں بجائے ''ابواب جنت'' کے ''ابواب رحمت'' کے لفظ کا تذکرہ ہے۔(صحیح بخاری وصحیح مسلم/معارف الحدیث/ج/۴/ص/۳۴۴)

روزوں کی فضیلت

حضرسہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو باب الریان کہا جاتا ہے، اس دروازے سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کو داخل کا داخلہ ہوگا، ان کے سوا کوئی اس دروازے سے داخل نہ ہوسکے گا، اس دن پکارا جائے کہ کدھر ہیں، وہ بندے جو اللہ کے لئے روزے رکھا کرتے تھے اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے، وہ اس پکار پر چل پڑیں گے، اس کے سوا کسی اور کا اس دروازے سے داخلہ نہیں ہوسکے گا، جب روزہ دار اس دروازے سے جنت میں پہنچ جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا، پھر کسی کا اس سے داخلہ نہ ہوسکے گا۔(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضورﷺ کا ارشاد ہے، **الصوم نصف الصبر** (روزہ نصف صبر ہے) اور صبر کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے، **الصبر نصف الايمان** (صبر آدھا ایمان ہے) اس سے معلوم ہوا کہ روزہ ایمان کا چوتھا حصہ ہے۔

تمام عبادات میں روزہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کی نسبت اللہ تعالی کی طرف ہے، ایک حدیث قدسی میں ہے۔

كل حسنة بعشر امثالها الى سبع مائة ضعف الا الصيام فانه لی و انا اجزی به (ہر نیکی کا اجر دس سے سات سو گنا تک ہوگا، مگر روزہ رکھنا میرے لئے ہے میں اس کی جزا دوں گا۔

روزہ کی فضیلت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے۔

والذی نفسی بيده لخلوف فم الصائم اطيب اطيب عندالله من ريح

المسک یقول اللہ انما یذر شھوتھہ و طعامہ و شرابہ واجلی فالصوم لی وانا اجزی بہ (قسم ہےاس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے،روزہ دار کے منہ کی خوشبواللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے،اللہ تعالی کہتے ہیں کہ روزہ دار اپنی خواہش،اپنا کھانا،اوراپنا پینا صرف میرے لئے چھوڑتا ہےاسلئے روزہ میرے لئے ہےاور میں اس کا بدلہ دوں گا۔

روزہ کےاسراراور باطنی شرائط

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے روزہ کے تین درجہ بیان فرمائے ہیں۔

ایک عوام کا روزہ ،تو وہ ہے کہ پیٹ اور فرج کو ان کی خواہشات پر عمل کرنے سے روکا جائے، دوسرے خواص کا روزہ ،تو وہ یہ ہے کہ آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں اور دوسرے اعضاء کو گناہوں سے باز رکھا جائے،تیسرے مخصوص ترین لوگوں کا روزہ،تو وہ یہ ہے کہ دل کو دنیاوی تفکرات اور فاسد خیالات سے پاک اور صاف رکھا جائے،تمام تر توجہ خدا تعالی کی طرف ہو، کسی اور کی طرف مطلقاً نہ ہو۔

بعض اہل دل فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دن بھر افطار کی تدبیریں سوچتا رہا تو یہ گناہ شمار ہوگا، کیوں کہ اس نے اللہ تعالی کے فضل وکرم اور موعود رزق پر پورا اعتماد نہیں کیا۔ یہ انبیائے کرام، صدیقین اور مقربین کا درجہ ہے، یہ درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب آدمی اپنے فکر کی گہرائیوں کے ساتھ اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور غیر اللہ سے اعراض کر رہا ہو،اس روزہ کی تکمیل مندرجہ ذیل چھ امور پر عمل کرنے سے ہوتی ہے۔

(۱) نظریں نیچی رہیں، بری اور مکروہات چیزوں کی طرف التفات نہ ہو(۲) زبان کو زیادہ گوئی، جھوٹ، غیبت، چغلخوری اور فحش گوئی سے محفوظ رکھا جائے(۳) بری باتوں کو سننے میں کانوں کو مشغول نہ کرے(۴) ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء کو گناہوں سے باز رکھا جائے، افطار کے وقت اکل حلال کی پابندی کی جائے، حرام کے شبہ سے بھی گریز کیا جائے(۵) افطار کے وقت حلال رزق بھی اتنا نہ کھائے کہ پیٹ پھول جائے، (٦) افطار کے بعد دل میں خوف اور امید کے ملے جلے خیالات ہوں، اس لئے کہ روزہ دار یہ نہیں جانتا ہے کہ اس کا روزہ مقبول ہوا ہے یا نہیں، یہ چھ امور ہیں جن کا تعلق روزے کے باطنی حقائق سے ہے۔

(احیاء العلوم رترجمہ: مولانا ندیم الواجدی ج ۱ر ص ر۴۳۵)

حسن بصریؒ عید کے دن ایک جگہ سے گذرے،آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہنس رہے ہیں، اور کھیل کود میں مصروف ہیں،آپ نے فرمایا اللہ تعالی نے رمضان کو مخلوق کے لئے سبقت کرنے کا میدان قرار دیا ہے، کچھ لوگ آگے بڑھ گئے اور کامیاب قرار پائے اور کچھ لوگ پیچھے رہ گئے اور ناکام ٹھہرے، تعجب ہے کہ ان لوگوں پر جو آج کے دن ہنسی میں مصروف ہیں خدا کی قسم اگر حقائق منکشف ہونے لگیں تو کامیاب کو اتنی خوشی ہو کہ ہواس کھیل میں مصروف نہ ہو سکے،اور ناکام کو اتنا غم ہو کہ اسے ہنسی نہ آئے۔

احنف ابن قیس سے کسی شخص نے کہا کہ آپ بوڑھے ہیں روزہ آپ کو کمزور کر دیتا ہے،فرمایا کہ میں ایک طویل سفر کیلئے تیاری میں مصروف ہوں،اللہ تعالی کی اطاعت پر صبر کرنا اس کے عذاب پر صبر کرنے سے زیادہ آسان ہے۔(حوالہ بالا/۴۳۶)

رب رحمان کی جانب سے ان فضائل کے بیان کا مقصد ضروریاتِ بدنیہ و ذاتیہ سے تھوڑا اعراض کر کے ضروریاتِ روحانیہ کے حصول کا فروغ ہے، روزہ سے حاصل شدہ برکات ذاتی بھی ہوتی ہیں اور اجتماعی بھی،، ذاتی برکات میں موقع عبادت کے حصول کا ازدیاد سب سے مقدم ہے،،روزہ دار کا عبادت کی طرف میلان طبعی طور پر بڑھ جاتا ہے،مساجد کا نمازیوں سے بھر جانا،تراویح کے ساتھ ساتھ اکثر لوگوں کا تہجد کا اہتمام بارگاہِ خداوندی میں ان کے اس مہینہ کی عبادت کی قبولیت میں چار چاند لگا دیتا ہے،،اجتماعی برکات جو اس مہینہ میں حاصل ہوتی ہیں ان میں سر فہرست ہے کہ ایک مسلمان کو ان تکالیف کا احساس ہو جاتا ہے جن سے عموماً انسان نبرد آزما ہوتا ہے، پھر یہی احساس اسے دوسروں کی تکالیف کا مداوا کرنے کی جانب متوجہ کرتا ہے اور عام مشاہدہ ہے کہ ماہ رمضان میں زکوۃ،صدقات وخیرات کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو لاتعداد یتیموں، بیواؤں، مسکینوں، مجبوروں کی بھلائی کے لئے استعمال ہوتا ہے،اسی مقصد کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں کو تقوی کی تاکید کی ہے،فضل ایزدی سے ایک بار پھر ہم اس بابرکت مہینے کے قریب ہیں جسے پا کر اپنی مغفرت نہ کرا پانے والے کو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلاک ہونے والا قرار دے دیا۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مسلمان اس بابرکت مہینے کو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ بنائیں جس کے لئے یہ مہینہ ہمیں عطا کیا گیا،،رب غفار ہمیں اس مہینہ کی رحمتوں، برکتوں اور اپنے فضل سے مالا مال فرمائے۔آمین

قسط/۵

اسلامی حکمرانوں سے مسلمانوں کی بے جا شکایت

مولانا مناظر احسن گیلانی

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ حیرہ کے کسی یہودی یا نصرانی کو بکر بن وائل قبیلہ کے کسی مسلمان نے قتل کر دیا تھا، مدینہ سے حضرت عمرؓ کا فرمان والی حیرہ کے نام آیا،

''اس قاتل کو مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیا جائے، جی چاہے ان کا تو بدلہ میں اس کو قتل کریں یا جی چاہے تو معاف کر دیں''،

والی نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیا، مقتول کا وارث جس کا نام حسنین تھا لکھا ہے کہ

فقتلہ (نصب الرایہ ج/۳ص/۳۳۷) حسنین نے اس مسلمان قاتل کو قتل کر دیا،

بجنسہ اسی نوعیت کا ایک مقدمہ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیش آیا، حضرت علیؓ کے اجلاس میں مقدمہ پیش ہوا، گواہیاں گذریں، مجرم پر قتل کا جرم ثابت ہوا، حضرت نے اس مسلمان قاتل کے قتل کا فیصلہ صادر فرمایا، فیصلہ کے بعد مقتول جو غیر مسلم تھا اس کے وارث حاضر ہوئے اور انہوں نے درخواست پیش کی کہ ہم لوگ اس کو قتل کرنا نہیں چاہتے، حضرت علیؓ نے درخواست دینے والوں کو بلا کر دریافت کیا کہ

''کیا مسلمانوں نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہے؟''

جواب میں انہوں نے کہا کہ نہیں کسی نے ڈرایا دھمکایا نہیں؛ بلکہ ہم لوگ سوچتے ہیں کہ قاتل کے مارنے سے ہمارا مقتول بھائی زندہ ہونے سے رہا، اس لئے ہماری درخواست یہ ہے کہ ہمیں معاوضہ دلایا جائے، یعنی خون بہا کا مطالبہ کیا،

یہ سن کر مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ

''تم اپنے معاملہ کو زیادہ سمجھ سکتے ہو''،

مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کے ڈرانے دھمکانے سے بجائے قتل کے خون بہا دلانے کی تم نے درخواست اگر پیش کی ہے،تو حکومت تمہاری پشت پناہی کرنے کے لئے تیار ہے؛لیکن اگر واقعی تمہاری سمجھ میں یہی آیا ہے کہ قتل کرانے کا کیا فائدہ،تو تم کو اس کا قانون نے اختیار دیا ہے(۱) حضرت نے اس کے بعد غیر مسلموں کو خطاب کر کے اعلان فرمایا کہ

من کانت له ذمتنا فدمه کدمنا و دیته کدیتنا (نصب الرایہ ج ۳ ؍ص ۳۴۷ ؍) ہم نے یعنی ہماری حکومت نے جن لوگوں کی جان و مال،عزت وآبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے(معلوم ہونا چاہئے کہ اس معاہدہ کے بعد)ان کا خون ہمارے خون کے اوران کے خون کی قیمت (یعنی دیت)ہمارے خون کی قیمت کے برابر ہو جاتی ہے۔

اسلامی قلمرو کے غیر مسلم باشندوں کی جان اورخون کی قیمت جب مسلمانوں کی جان اورخون کی قیمت کے برابرقرار پا چکی تھی تو اسلامی حکمرانوں کے لئے خودسوچئے کہ صفایا تو صفایا،اپنے اپنے علاقے کے غیر مسلم باشندوں کو کیا ٹیڑھی نظروں سے بھی وہ دیکھ سکتے تھے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام رواداری کے سلسلہ میں جب اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ مسلمانوں کی خاص عبادت گاہوں یعنی مسجدوں کے اندر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب (یہود نصاریٰ) ہی کو نہیں؛ بلکہ طائف کے بت پرست مشرکین تک کو اجازت مرحمت فرمائی کہ مسجد کے صحن کے پچھلے حصہ میں اپنے خیمہ نصب کریں،پوچھنے والوں نے پوچھا بھی

انـنزلهم المسجد و هم مشرکون، (نصب الرایہ ج ۳ ؍ص ۲۷۰ ؍) آپ لوگوں کو مسجد میں اتارتے ہیں؛ حالانکہ وہ مشرک ہیں،

جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

ان الارض لا تنجس (۲) زمین ناپاک نہیں ہوتی۔

ذرا اندازہ کیجئے اس کا کہ خود پیغمبر اسلام کا حال جب یہ ہو،صحابی راوی ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا،قـومـوا بـنـا نـعـود جـارنا الیهود ، (کتاب الاثار لامام محمد) کھڑے ہو جاؤ،ہمارے ساتھ ہم سب اپنے پڑوسی یہودی

(۱) جیسا کہ معلوم ہے کہ مقدمہ میں مقتول کے وارثوں کو اسلام نے اختیار دیا ہے،چاہیں تو قاتل کو قتل کر کے اپنے دل کی تسکین انتقام سے حاصل کریں اور چاہیں تو بجائے قتل کے خاندان کی ایک کرنے والی قوت کے گھٹ جانے سے جو نقصان پہنچا ہے،اس نقصان کی تلافی دیت یعنی خون بہالے کر کرلیں۔(۲) حاشیہ اگلے صفحہ پر

کی بیمار پرسی کو چلیں۔

پیغمبر خود بھی ہیں اور اپنے ساتھ اپنے صحابیوں کو لئے ہوئے اس بیمار یہودی نوجوان کے پاس پہنچتے ہیں، جو مدینہ کا باشندہ تھا، جوار اور پڑوس کے حق کو اس عملی شکل میں کر کے خود رسول اللہ ﷺ نے جب دکھایا تھا تو غیر مذہب کے ہم وطنوں اور پڑوسیوں کے ساتھ بتایا جائے کہ مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیت قدرۃً جو ہوگئی، اس کے سوا اور کیا ہوتی؟(۱)

حاشیہ پچھلے صفحہ کا مطلب آنحضرت ﷺ کا جیسا کہ بظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے یہ تھا کہ زمین پر وہ رہیں گے اور زمین کسی کے چلنے پھرنے یا اٹھنے بیٹھنے سے ناپاک نہیں ہوتی، یہ تو خدا کا بچھایا ہوا فرش ہے، سب ہی کو اس پر چلنے پھرنے کا حق ہے، طائف کے اس وفد سے پہلے نجران کے عیسائیوں کو بھی مسجد میں اتارا گیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی انہیں رواداریوں میں اس کے دائرہ کی وسعت کا بڑا راز پوشیدہ تھا، جن ادیان و مذاہب کے ماننے والوں نے اپنے ادیان و مذاہب کو صرف اپنی بلندی اور برتری کا ذریعہ بنا رکھا ہے تو موں کے قلوب میں بغض و عداوت کا ان کی طرف سے پیدا ہو جانا ایک قدرتی نتیجہ ہے، بھلا یہودیوں کی ان خرمغزیوں کو کون برداشت کرسکتا تھا، جب وہ کہتے تھے کہ ہم تو خدا کے بیٹے ہیں اور خدا کے محبوب ہیں یا بعض دوسرے ادیان و مذاہب والوں نے اپنے ہی جیسے انسانوں کے متعلق اس قسم کے قوانین بنا رکھے تھے کہ ان کے مذہب کی کتاب کا کوئی فقرہ اس کے کان میں اگر اتفاقاً چلا جائے گا، تو کان ہی سے نہیں؛ بلکہ اس کو جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا، پچھتر قدم کا فاصلہ کم از کم پاکوں اور ناپاکوں میں باقی رہے، اس لئے مجبور کیا جاتا تھا کہ ناپاک جو سمجھے جاتے ہیں، وہ راستہ چلتے ہوئے ہاتھ سے ڈگڈگی بھی بجاتے جائیں، قرآن میں اس کے برخلاف حکم دیا گیا ہے کہ غیر مذہب کا آدمی خواہ مشرک ہی کیوں نہ ہو، قرآن سننا چاہے تو اس کو خدا کا کلام سنایا جائے، مسجدوں میں ٹھہرانے کی غرض بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تھی کہ اسلام کے مشاہدہ اور تجربہ کا لوگوں کو موقعہ ملے، یہی طائف والے کہاں تو اتنے سخت تھے، کہتے تھے کہ ہم اپنے سرینوں کو اس طرح اٹھا بٹھا نہیں سکتے جس طرح تم لوگ رکوع اور سجدہ میں کرتے ہو؛ مگر مسلمانوں کی نمازوں کی دلکشی دیکھنے کے بعد ان پر اتنا اثر کیا کہ واپسی سے پہلے مسلمان ہو گئے، شمس الائمہ سرخسی نے سیر کبیر میں لکھا ہے کہ غیر مسلم رعایا کے لئے اسلامی حکومت نے مساوات کا جو قانون نافذ کیا ہے، اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ

ربما یرون محاسن الشریعة و یسلمون فکان هذا فی معنی الدعاء الی الدین بارفق الطریقین (ج۳/ص۲۵۰) یعنی اس ذریعہ سے ان کو اسلامی شریعت کی خوبیوں کے دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور اسلام قبول کر لیتے ہیں، گویا اسلامی دعوت کی یہ ایک نرم ترین راہ ہے،

ابن بطال کے حوالے سے الکتانی نے نقل کیا ہے کہ قرآن، علم حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم نہ صرف اسلامی قلمرو کے مسلم باشندوں بلکہ ان کے سوا دوسرے غیر مسلموں کو دینا چاہئے، یہ ابوحنیفہؒ وشافعیؒ کا مقولہ ہے، (ج۲/ص۲۹۳)

(۱) غیر مسلم اقوام کے پڑوسیوں کے ساتھ مسلمانوں کے وہی تعلقات جنہیں عہد حاضر کا مسلمان پڑھتا ہے اور دل ہی دل میں دنیا کی ان ہی غیر مسلم اقوام کی موجودہ نسلوں کو خطاب کر کے کہتا ہے

ہم نے جب ہوش سنبھالا تو سنبھالا تم کو☆تم نے جب ہوش سنبھالا تو سنبھلنے نہ دیا

یہی یہودی قوم جس کے ایک فرد کی عیادت کے لئے رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے، سینکڑوں سال تک ان کی پناہ گاہ مسلمانوں کے ممالک رہے جس کا کچھ ذکر آگے بھی آ رہا ہے، لیکن ان کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہے، دنیا دیکھ رہی ہے، یورپ سویا ہوا تھا، ہم نے اس کو جگایا، جگنے کے ساتھ ہمارے سینے پر چڑھ بیٹھا اور میں کس کس کا ذکر کروں، قوموں کو سوچنا چاہئے کہ آخر شرافت کیا اسی کا نام ہے، انسانیت اسی کو سمجھتے ہیں۔

امت مسلمہ کے لئے مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ کی فکر و تڑپ ایک مکتوب کی روشنی میں

شرف الدین عظیم قاسمی الاعظمی

کائنات کی ساری نیرنگیاں اور صدرنگ مناظر اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی خلاقیت کا مظہر ہیں اسی کے بنائے ہوئے مستحکم نظام کے مطابق اس میں موجود تمام چیزیں اپنے فرائض میں مصروف ہیں، روئے زمین کا نظام بھی اسی قادر مطلق اور خلاق عالم کے قوانین کے ماتحت قائم ہے، عالم مثال کا یہ نظام اسباب کی کڑیوں اور اس کے مضبوط سلسلوں سے اس طرح وابستہ ہے کہ ایک ظاہر پرست اور زندگی کے مقاصد سے بے خبر آدمی کے لئے یہ راز راز ہی رہ جاتا ہے کہ یہ اسباب و ذرائع اور ان کے اثرات ونتائج محض خلاق عالم کی قدرت کے مظاہر ہیں بذات خود ان میں نہ کوئی قوت ہے نہ اثر۔

یہی وجہ ہے کہ اس کی زندگی اسباب کے دشت میں حیران و پریشان سرگرداں رہتی ہے اور محدود ذرائع سے محرومی اس کی زندگی کو مایوسیوں کے اندھیروں میں غرق کردیتی ہے اس لئے کہ اس کے یقین کی حدیں وسائل کی ظاہری قوت سے آگے کسی اور طاقت کے ادراک سے قاصر رہتی ہیں نتیجتاً وہ تمام قوتوں کا سرچشمہ انھیں اسباب کو سمجھتا ہے انھیں کو کاروبار جہاں میں مؤثر حقیقی تصور کرتا ہے یہ انسانی خیالات میں ایک انتہا پسندانہ نظریہ ہے اس کے برخلاف دوسری انتہا پر جو تصور ہے وہ یہ ہے کہ کائنات اور روئے زمین کی حسی زندگی میں اسباب کا بالکلیہ انکار کردیا جائے اس کی حثیت اور اہمیت کو نظر انداز کردیا جائے ان کے استعمال کو زندگی میں ممنوع قرار دے کر صرف خلاق عالم اور پروردگار کی غیر مرئی قدرت پر یقین واعتماد کا اظہار کیا جائے اور اس کارگہ عالم میں وسائل و ذرائع کو ترک کرکے زندگی کے ہر محاذ پر نصرت الٰہی کی امید پر جدوجہد اور محنت و جانفشانیوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیا جائے۔

الحاد کی شکل میں پہلے تصور اور جہالت کی صورت میں دوسری انتہا کے درمیان جو فطرت کے

عین مطابق اعتدال کا راستہ ہے وہ یہ ہے کہ انسان اسباب کی دنیا میں رہ کر انھیں برت کر، انھیں اپنی زندگی میں داخل کر کے،ان سے ہر موڑ پر استفادہ کے عمل میں خداوند عالم اور قادر مطلق کی قدرت پر یقین رکھے،اسباب کے نتائج واثبات کے حوالے سے اسی پروردگار عالم کی مشیت کو مؤثر قرار دے،اسی ذات پر بھروسہ رکھے،اسی کی طاقت پر ایمان رکھے، کہ اس کی مرضی ہے تو اسباب نفع بخش اور ثمر آور ہیں اس کے بغیر ان کی ذات بے حیثیت اور بے معنٰی ہے،یہی وہ اسلام کی عالم گیر تعلیم ہے جس نے ہر زمانے میں مایوس کن اور حوصلہ شکن ماحول میں،شعلے برساتی ہوئی وقت کی دھوپ میں اور موت کی موسلا دھار بارشوں میں بھی زندگی کی آس اور ارتقا کی قندیل جلائے رکھا ہے جس نے لئے کارواں میں از سر نو سفر کا تازہ حوصلہ بخشا کہ وسائل اگر نہیں ہیں تو کیا غم ہے انھیں پیدا کرنے والی ذات تو اب بھی پوری شان اور پوری طاقت وقوت کے ساتھ موجود ہے۔

یہی شریعت کا مزاج ہے، اور یہی اسلام کی تعلیم اور توحید کی روح ہے جس میں قلب سے روح تک اور دل سے جسم تک ڈھل جانے کا تقاضا فطرت بھی کرتی ہے عقل بھی، کائنات کی بے ثباتی بھی اسی کی صدا لگاتی ہے اور خداوند عالم کی لامحدود قدرت بھی،قرآن کریم کا ارشاد ہے: **و عنده مفاتح الغيب لايعلمها الا هو، و يعلم ما فى البر البحر، و ما تسقط من ورقة إلا يعلمها و لاحبة فى ظلمت الارض و لا رطب و لايابس إلا فى كتاب مبين، وهو الذى يتوفكم بالليل و يعلم ما جرحتم بالنهار ثم يبعثكم فيه ليقضى اجل مسمىً، ثم اليه مرجعكم ثم ينبئكم بما كنتم تعلمون (الانعام:٦٠)**

اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی کہ ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے اور نہیں جھڑتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں گرتا کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ کوئی سوکھی چیز مگر وہ سب کتاب مبین میں ہیں، اور وہی ہے کہ قبضہ میں لے لیتا ہے تم کو رات میں اور جانتا ہے جو کچھ تم کر چکے ہو دن میں پھر تم کو اٹھا دیتا ہے اس میں تا کہ پورا ہو وہ وعدہ جو مقرر ہو چکا ہے پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے پھر خبر دے گا تم کو اس کی جو کچھ تم کرتے ہو‘‘

اس وقت دنیا جس بلا اور مصیبت کا شکار ہے اور ایک جرثومہ سے جس قدر حیران و پریشان اور ہراساں ہے،اس کی خوفناکی اور ہلاکت خیزیوں سے جس طرح حواس باختہ ہے ہر شخص پر یہ منظر عیاں

ہے کیا عرب اور کیا عجم اور کیا یورپ اور کیا ایشیائی ممالک تمام خطے اور علاقے اس وائرس کی زد میں ہیں، وسائل کی فراوانی اور ذرائع عیش کی وسعتیں تنگ ہوکر رہ گئیں، جدید ٹیکنالوجی اور ایڈوانس مشنریاں بے بس ہوکر رہ گئیں، میڈیکل سائنس فیل اور صحت وزندگی کے تمام وسائل بے حیثیت ہو گئے، صحت وتحفظ کے تمام جدید آلات وذرائع اور میڈیکل سائنس کی حیرت انگیز ترقیوں کے باوجود ترقی یافتہ ممالک کے لگژری زندگی گزارنے والے لاکھوں کی تعداد میں لقمۂ اجل بن گئے، بے شمار افراد اس وبا کے چنگل میں زندگی اور موت کی کشمکش میں ہیں، بھارت میں بھی یہ وائرس آیا اور اس کے اہم اہم شہروں میں اس کے اثرات پھیلے، ہلاکتیں ہوئیں، سینکڑوں متأثر ہوئے بلکہ ہزاروں لوگ اس کا شکار ہوئے، جسم وجاں کی حفاظت کے لئے انتظامیہ سرگرم ہوئی، آنا فانا لوگوں کو انھیں کے گھروں میں قید کر دیا گیا، پورے ملک کو قیدخانوں میں بدل دیا گیا، مساجد پر پابندیاں عائد کر دی گئیں، جمعہ وبیان اور دیگر تمام دینی ادبی اصلاحی مجالس ترک کر دی گئیں، لوگوں سے مصافحہ اور دیگر اجتماعی عبادت تک کو ختم کر دیا گیا یہ اور اس کے علاوہ دیگر تمام احتیاطی تدبیروں کے ساتھ یہاں کا مسلمان شہری ملک کے شانہ بشانہ رہا۔

مگر باوجود اس کے حکومت کی ایما پر اس وبا کو بھی یہاں مسلمان بنا دیا گیا اور منظّم منصوبے کے ماتحت اس کے انتشار کا ذمہ دار مسلمانوں کو قرار دے دیا گیا تبلیغی جماعت سے اس کی نسبت اسی طرح جوڑ دی گئی جس طرح امریکہ بہادر نے ۲۰۰۱ء میں دہشت گردی کو مسلمان کا لازمہ قرار دیا تھا نیشنل میڈیا کی اس نفرت انگیز چیخ وپکار کے باعث اس ملک میں مسلمان جو پہلے سے ہی سماجی لحاظ سے الگ تھلگ تھا اب مزید اچھوت کی شکل میں ہو گیا اور یوں وہ اذیت ناک اجنبیت کے احساس میں جینے پر مجبور ہو گیا، ایک طرف کرونا کا قہر اور دوسری طرف برادران وطن کا غیر اخلاقی اور معاندانہ رویہ اور اس کی فرقہ وارانہ روش، جس نے دہرے طوفان کی شکل اختیار کر لی، اور مسلمانوں کے سامنے ہر سو مایوسیوں کی گھٹائیں پھیل گئیں۔

مگر اہل نظر جانتے ہیں کہ ایسی صورت میں جب حالات بالکل مایوس کن ہو جائیں اور عافیت کے راستے ہر طرف سے بند نظر آتے ہوں، زندگی طوفانوں میں گھرتی ہوئی نظر آتی ہو، باوجود اس کے روشنی کا ایک روزن کہیں نہ کہیں ضرور موجود رہتا ہے، لیکن اس کی طرف عام لوگوں کے اذہان کم ہی متوجہ ہو پاتے ہیں وہ صرف ظاہری اسباب پر اپنی ساری جدوجہد مرکوز رکھتے ہیں مادیت پسندی انھیں یہ سوچنے کی مہلت ہی نہیں دیتی کہ مصائب وآلام اور حوادثات ومشکلات میں اس سے اوپر اٹھ کر

عافیت کا راستہ تلاش کریں اوران وجوہات کا سراغ لگائیں جن کہ وجہ سے مسلسل پریشانیاں آتی رہتی ہیں اور زندگی مصائب میں الجھ کر ہمیشہ کے لیے گمنام ہوجاتی ہے۔

مذکورہ المناک صورتحال کے تناظر میں یہ حقیقت بھی بالکل اٹل ہے کہ اسی روئے زمین پر ہر زمانے میں پروردگار عالم کے وہ مخصوص بندے بھی تھے جنھوں نے ایمانی طاقت وقوت اور یقین و اذعان کی روشنی سے صحیح وجوہات کی دریافت کی، اصل اسباب کا پتہ لگایا، اور مصائب وآلام کی بنیادوں تک رسائی حاصل کی اور پھر بصیرت مندانہ شعور کے ذریعے تعلیمات الٰہیہ اور فرامین نبوی کی روشنی میں قوموں کی اور ملتوں کی رہنمائی کی، ان تمام بنیادی اسباب وعوامل کی نشاندھی کی جو پریشانیوں، مصیبتوں اور آزمائشوں کا باعث تھے، اوران اعمال وافعال کی طرف متوجہ کیا جوسکون و عافیت کے سرمائے کا اہم ذریعہ ہیں،

ماضی قریب کی ایک عظیم المرتبت ہستی، اور رشد وہدایت کے حوالے سے نہایت روشن اور قدآور شخصیت استاذ نا المعظم حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی علیہ الرحمہ کی ذات انھیں لوگوں میں سے تھی جن کی بالغ نظریں ظاہری سبب پر نہیں بلکہ اس کے پردے میں چھپی ہوئی حقیقتوں کا ادراک کرلیا کرتی تھیں، حضرت مولانا مرحوم جہاں زبردست عالم دین اور عدیم النظیر مدرس ومصنف اوراعلیٰ پائے کے نثر نگار تھے وہیں وہ بے نظیر مربی ورجال ساز اور دردمند مصلح بھی تھے انھوں نے تربیت کا یہ عظیم الشان کارنامہ خانقاہ کی چہار دیواری سے بے نیاز ہوکر انجام دیا ہے، اسی لئے ان کے فیضان کا دائرہ صحرا کی طرح بیکراں نظر آتا ہے، چنانچہ رشد وہدایت کی یہ روشنی آپ کو کبھی اجلاس میں خطبوں کی صورت میں نظر آئے گی کبھی عام سی مختصر مجلسوں میں وعظ کی شکل میں، کبھی یہ مساجد میں درس قرآن کی شکل میں معلوم ہوگی تو کبھی عارضی خانقاہ کی مخصوص مجلس میں، یہ کبھی درس گاہوں میں فروزاں قندیل کی صورت میں نظر آئے گی تو کبھی متوسلین وارادت مندوں کے ساتھ ساتھ عام علماء وشاگردوں کے نام بے شمار خطوط میں کہکشاں کی طرح بکھری ہوئی معلوم ہوگی، قیامت تک آنے والے تمام مراحل کی رہبری کی بنیاد ہر چند آیات وآحادیث اور حیات رسول ولمحات صحابہ ہے مگر علوم قرآنی سے سرشار وارثین انبیاء کی ہدایات و رہنمائیاں حالات وزمانے کے مزاج کے لحاظ سے اوران کے تقاضے کے مطابق ہدایت کے انھیں آفتاب وماہتاب کی روشنی کا عکس ہوتی ہیں جوعلم کی کائینات میں قرآن وحدیث کی شکل میں موجود ہے۔ اسی لئے وہ اس قدر دوام آشنا ہوجاتی ہیں کہ زمانے کے تمام انقلابات وتغیرات اس کی افادیت کی سطح پر

کہنگی کی گرد نہیں ڈال پاتے ہیں اور وہ پوری تابانیوں کے ساتھ ماضی کی طرح حال میں بھی روشن اور تابندہ رہتی ہیں۔

حضرت مولانا مرحوم کے زمانے میں بارہا ناخوشگوار حالات پیش آئے اور ان سنگین لمحات میں ملت کو کیا کرنا چاہیئے، اسباب پر کس قدر اعتماد ضروری ہے، اس کا درجہ اور حیثیت کیا ہے، مصائب سے چھٹکارے اور خلاصی کے لئے قوموں کے اندر کس طرح کی تبدیلی ناگزیر ہے، پریشانیوں کے طوفان کیوں آتے ہیں، آزمائش اگر ہیں تو ان کے اصل اسباب وعوامل کیا ہیں اور ان سے نجات کا راستہ کس عمل میں پوشیدہ ہے؟ یہ اور اس طرح کے بے شمار سوالات کا پیدا ہونا فطری امر ہے، اور اس وقت بھی یہ سوالات تھے حضرت پوری دردمندی اور شعور وبصیرت کے ساتھ مضامین ومکتوبات پر مشتمل اپنی تمام تحریروں میں اسباب اور مسائل کا حل، فرائض اور اعمال، ذمہ داریاں اور طرز عمل غرض ساری چیزوں کی وضاحت کرکے اصلی اور حقیقی سبب یعنی قادر مطلق کی طرف توجہ اور انابت کی تعلیم دیتے تھے اسی کی تلقین کرتے تھے، نفرت وتعصب کے ہنگامی حالات اور سلگتے ماحول میں لکھی گئی ذیل کی یہ تحریر جو ان کے ایک محبّ وکرم فرما حاجی عبدالرحمٰن صاحب خیرآبادی جو راقم کے استاذ محترم مولانا ضیاء الحق خیرآبادی کے والد گرامی ہیں کے نام ہے اور ۱۹۸۴ء میں مئوفساد کے دوران وجود میں آئی تھی اس کا اقتباس ملاحظہ کریں اور دیکھیں کہ کس قدر اس کے لفظ وحروف میں زندگی ہے، اور کس قدر ماحول کے لحاظ سے ہدایت ورہبری کی روشنی ہے۔

’’مسلمان جو کہ دنیا کی ہدایت ورہنمائی کا ذمہ دار بنایا گیا تھا آج وہ خود دوسروں کی راہ تک رہا ہے کلیجہ منھ کو آتا ہے، جگر خون ہوتا ہے ایسی بے بسی کہ نہ جان کا ٹھکانا، نہ مال کی حفاظت، نہ آبرو کا بچاؤ آخر آدمی کہاں جائے اور کیا کرے، جہاں کہیں فساد ہوتا ہے وہاں کا حال تو مت پوچھئے جہاں تک اس کی خبر پھیلتی ہے منھ نکالنا دشوار ہوجاتا ہے جیسے مسلمان کوئی مجرم ہے جسے اس ملک کی پشت پر زندہ رہنا جائز نہیں، فساد کہاں ہو رہا ہے اور نگاہیں کہاں گرم ہو رہی ہیں اور پھر ہر جگہ آگ لگنے کے خطرات پیدا ہوجاتے ہیں، میں فساد کے دوران اپنے علاقے میں آنا چاہتا تھا مگر دل کی افسردگی نے کہیں ہلنے نہ دیا یہ افسردگی صرف اس بنا پر نہیں تھی کہ مسلمانوں کا خون ارزاں ہوگیا ہے ان کی آبرو بے وقعت ہوگئی ہے اور ان کے اموال مال غنیمت بن چکے ہیں، بلکہ ایک صدمہ اور اس سے بڑھ کر ہے اور وہ ایسا صدمہ اور غم ہے جو ہڈیوں میں آگ بن کر گھسا ہوا ہے، کہتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں اور نہ

کہوں تو بھی چین نہیں ملتا، ایک ایسی کشمکش، ایک ایسا تحیر، ایک ایسی انتشاری کیفیت ہے کہ نا یارائے گفتار اور نہ طاقت خموشی! کبھی بولتا ہوں، کبھی چپ رہتا ہوں، کبھی جی چاہتا ہے مدرسہ چھوڑ کر قریہ قریہ گھوموں اور لوگوں کو پکارتا پھروں، اور کبھی سوچنے لگتا ہوں کہ مجذوب کی بڑ کون سنے گا چپ چاپ گوشہ ؟ عافیت میں سر دیئے پڑے رہو، سنئے کہ وہ بات کیا ہے؟ وہ بات محض اتنی ہے کہ ''ہم سچے مومن نہ رہے'' بظاہر کتنا چھوٹا سا جملہ ہے لیکن سوچئے! اسی ایک جملے میں درد کی پوری داستان سمٹی ہوئی ہے، ہماری حالت یہ ہے کہ اگر ہم سے صحیح اور سچی اور خالص ایمان کی بات کہی جائے تو بری لگے اور اگر اس میں بہت کچھ الا بلا ملا کر سنایا جائے تو بصدق دل سنیں، اللہ کی اطاعت اور رسول کی فرمانبرداری سے زیادہ مشکل ہمارے لئے کوئی چیز نہیں، جتنی زیادہ مار پڑتی ہے اتنی ہی زیادہ ہماری غفلت بڑھتی ہے، ہنگامہ وفساد کے مواقع پر بعض جگہوں پر مساجد ضرور آباد ہونے لگتی ہیں، لیکن اس آبادی کی عمر کتنی ہوتی ہے، اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ اسی موقع پر فائدہ چاہنے والے فائدے کے حصول کی کیسی کیسی راہیں نکال لیتے ہیں، کسی کا گھر جلتا ہے اور کوئی اس آگ پر اپنی ہانڈی چڑھا کر خوش ہوتا ہے کہ بلا سے کسی کا گھر جلا مفت میں ہمارا کھانا تو پک گیا آپ مجھ سے زیادہ حالات سے واقف ہیں، میں تو فقیر گوشہ نشین صرف کلیات سے علم وواقفیت کا تعلق رکھتا ہوں آپ تو میدان میں ہیں تمام جزئیات آپ کی نگاہوں کے سامنے سے گذرتی ہیں، بتایئے کسی کا گلا کاٹا گیا اور کوئی گوشت کا لوتھڑا اس کے تن بے جان سے کاٹ کر لے جارہا ہے کہ اپنا پیٹ بھروں گا

(حدیث دوستاں حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی رح)

اخلاص و وفا کے قلم اور درد وکرب کی روشنائی سے لکھی ہوئی مذکورہ تحریر جہاں برادران وطن کے متعصّبانہ، جارحانہ اور معاندانہ کرداروں اور غیر انسانی رویوں کی بے غبار تصویر ہے وہیں خود مسلمانوں کے پست اعمال وافعال اور غیر اخلاقی روش اور خدا ورسول کی راہوں سے منحرف ہو کر مادہ پرستانہ کرداروں کا وہ آئینہ ہے جس میں اس امت کی مجموعی صورت حال، اس کی مادیت پسندی، اور اس کے خود غرضانہ ومنافقانہ چہروں کو دیکھا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سینہ ؟ قرطاس سے لیکر برقی اسکرین تک بے شمار خوبصورت تحریریں وجود میں آتی رہتی ہیں، لیکن اسلوب کے جمال، لہجے کے بانکپن، جملوں کی ساخت و ہیئت میں رعنائی ودلآویزی کے لحاظ سے بہت کم تحریریں نظر آتی ہیں جو دلوں کو اپیل کرسکیں اور ذہن ودماغ پر کوئی خوشگوار نقش قائم کرسکیں مذکورہ

خط کے اقتباس میں قارئین کو نمایاں طور پر اظہار بیان کی قوت،لفظوں کے درد بست کے حسن،اور سادگی و برجستگی کے باوجود رعنائیوں کی تنویریں ہر سو پھیلی ہوئی محسوس ہوں گی اس کی سب سے بڑی وجہ ملت کے حالات اور اس کی پسماندگی اس کی زبوں حالی پر آپ کے وجود میں رنج والم اور درد و کرب کا شعلہ ہے جو کسی لمحے چین نہیں لینے دیتا اور یہ مسلم بات ہے کہ غم و آلا کی کیفیات میں ڈھلنے والے فنون لطیفہ کی تمام اقسام حسن و جمال اور اثر انگیزی کے لحاظ سے کچھ اور ہی مقام پر ہوتی ہیں۔

امت مسلمہ کی کشتی حیات طوفانوں میں مکمل طور پر اس طرح گھر چکی ہے، کہ کہیں ساحل کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔سوال یہ ہے کہ اس مصیبت اور اجتماعی ذلت ونکبت کا ذمہ دار کون ہے؟ کن لوگوں کی وجہ سے بدحالی اور پسماندگی کا سایہ دراز ہوا ہے؟ اس کا آسان جواب ہے کہ دشمنان اسلام کی انسانیت دشمنی اور اصنام پرستوں کی اسلام اور مسلمانوں کے تئیں عداوت اور نفرت،لیکن اگر ایک صاحب ایمان اس سوال پر خالی الذہن ہو کر غور کریگا تو اسے معلوم ہوگا کہ صحیح یہ ہے کہ مذکورہ نفرت وعداوت کی دریافت مکمل اور درست جواب نہیں ہے بلکہ اپنے عمل اور اپنی ذمہ داریوں سے راہ فرار کا آسان طریقہ ہے، دنیا میں ایک خوبصورت اور پرامن معاشرے کے لئے سب سے بنیادی چیز اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے اس کے بغیر دوسروں سے اچھے عمل کی توقع عقل کے بھی خلاف ہے اور منطقی نتائج کے اعتبار سے بھی غلط اس فلسفے کو ذیل کے اقتباس میں دیکھئے کس قدر آسانی اور خوبصورتی سے اسے اجاگر کیا گیا ہے۔

’’وہ کون ہے جو محض اللہ کے واسطے اپنے نفس کی خواہشات سے دست برداری اختیار کرتا ہے پھر دیکھئے کہ ہم معاصی میں اور صرف معاصی میں نہیں بلکہ شرک و بدعت میں کس درجہ مبتلا ہیں گناہوں کا ناچ تو ہر وقت ہوتا رہتا ہے،شرک و بدعت کا منظر کسی بھی سچی یا جھوٹی مزار پر دیکھا جاسکتا ہے اور یہ سب کون کرتا ہے؟ وہی جس کا دعویٰ ہے کہ اس کا ایمان خدا پر ہے اور اس کا دامن رسول اللہ کے دامن اقدس سے بندھا ہوا ہے سوچیۓ کدھر رخ! رفتار کس طرف،اور منھ کے بول کیا ہیں (مصدر بالا)

بہت سے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہر چند امت مسلمہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کی مجرم ہے، اس نے اس سرزمین پر جادہ اسلام سے انحراف کر کے اپنی ساری توجہ ذاتی مفادات میں محصور کردی ہے، وہ اعمال وافعال کے لحاظ سے نہایت پست کردار ادا کر رہی ہے،لیکن باوجود ان معصیتوں اور گناہوں کے وہ طاقت وقوت کا سرچشمہ خدائے تعالیٰ ہی کو سمجھتی ہے نظریات

اورعقیدے کے لحاظ سے وہ اسلام ہی کی نام لیوا ہے اور اسی بنیاد پر اس دنیا میں اس کی شناخت بھی ہے اس حقیقت اور یقین و ایمان کے اس سرمایے کے باوجود مصائب کی ہواؤں کا رخ کیوں مسلمانوں ہی کی زندگی کی طرف ہوتا ہے، رنج والم کی بدلیاں کیوں اسی ملت کے سر پر چھاتی رہتی ہیں، خدا کے دین سے انحراف اس کے نظام حیات سے بغاوت کا تقاضا تو یہ تھا کہ زندگی کے تمام میدانوں میں شکست و ریخت اور ذلت وخواری علانیہ کفر کے مجرموں اور باغیوں کا مقدر ہوتا نہ کہ امت مسلمہ کا، اس سوال کا جواب اور اسی کے ساتھ کس طرز عمل اور کس روش کی وجہ سے وہ ذلت کی تاریکیوں سے نکل سکتی ہے، اسی خط میں مذکور ایک پیراگیراف میں موجود ہے پڑھئے اور دلوں کے وساوس وخلجان کو دور کریئے۔

''مسلمانوں کا قصہ کافروں کے مثل نہیں ہے وہ اول سے باغی ہیں، ان کی سزا متعین ہے ممکن ہے دنیا میں ان پر مصائب وبلا کا نزول نہ ہو لیکن مسلمان اول سے اطاعت گذار ہے یہ اگر منھ موڑے گا تو ضرور طمانچہ پڑے گا لیکن وائے بر کہ یہ بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہ طمانچے پر طمانچے کیوں پڑ رہے ہیں ایک طمانچہ لگا ذرا تلملائے اور سہلایا اور کام ختم! کاش سب مل کر اپنے پروردگار کو خوش کریں، عبادات سے اخلاق سے، ذکر سے، تلاوت سے، دعا سے، آپس کے احسان سے، ہمدردیٔ خلائق سے، لیکن ''کم حسراتٍ فی بطون المقابر'' کتنی حسرتیں ہیں جو قبر کے شکم میں جا پہونچیں، اختلاف اور لڑائی جھگڑا ہمارے لئے سب سے آسان کام ہے، اخلاق حمیدہ سے کوسوں دور، چار گھر کا دیہات ہو وہاں بھی لڑائی دنگا، وسعت ظرف، حوصلہ مندی، اپنے اوپر مشقت جھیل لینا، ایثار کرنا، دوسروں کی نعمتوں سے خوش ہونا، یہ سب مفقود! عداوت حسد، بغض، تنگ نظری، پست حوصلگی، مفاد پرستی، خودغرضی، یہ سب موجود! کہاں یہ صفات خبیثہ اور کہاں رحمت خداوندی! اللہ پاک ہے پاکی ہی کو پسند کرتا ہے، ناپاکی سے بری اور بیزار ہے، ہم نے پاکی اور ناپاکی کو مخلوط کر کے ایک نیا مزاج بنالیا ہے، محض نجاست ہوتو اسے کوئی نہیں دھوتا، سوکھنے کے بعد اس کو محض جلا دیا جاتا ہے لیکن پاک چیز ناپاک ہو جائے تو اسے رگڑ رگڑ کر، پتھر پر پٹک پٹک کر، ڈنڈے سے مار مار کر، پانی میں کھولا کھولا کر، تیز سے تیز صابن لگا لگا کر نجاست سے علحدہ کیا جاتا ہے، ایمان ویقین ایک پاک اور مقدس چیز ہے جس سے انسان بالکل پاک ہو جاتا ہے پھر گناہوں کی نجاست اسے نجس کر ڈالتی ہے، اگر اس کو اسی حالت چھوڑ دیا جائے تو آہستہ آہستہ وہ نجاست محض بن کر رہ جائے گا دیکھئے حق تعالیٰ کا ارشاد

ہے:**بلی من کسب سئیۃ و احاطت بہ خطیئتہ اولئک اصحب النار ھم فیھا خالدون** جو برائی کی کمائی کرتا ہےاوراس خطائیں اسے اچھی طرح گھیر لیتی ہیں تو یہی شخص جہنم کا آدمی ہےاس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے،نجاست میں اگر پاک چیز فنا ہوجائے تو آخر اسے کیا کیا جائے گا کاش ہم سبق لیتے ورنہ خدانخواستہ کہیں وہ حالت نہ ہوجائے جس کی خبر ایک حدیث میں یوں دی گئی ہے''یاتی علی الناس زمان یدعوا الرجل للعامۃ فیقول اللہ تعالی ا? دع لخاصتک ا? ستجب واما العامۃ فلا فانی علیھم غضبان''ایک دور ایسا بھی آنے والا ہے کہ ایک شخص عامۃ الناس کے حق میں دعا کرے گا حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ محض اپنی ذات کے لئے دعا کر و قبول کروں گا عوام کے لئے تمہاری دعا قبول نہ ہوگی میں ان سے ناراض ہوں، ہماری عادت فراموشی اورغفلت میں انہاک کہیں اس درجہ تک ہم کو پہونچا نہ دے نعوذ باللہ من شرور انفسنا یہ درد سب سے بڑھ کر ہے مدرسے قائم ہیں، وعظ ہورہے ہیں کتابیں لکھی پڑھی جارہی ہیں،مسجدوں میں کتابیں سننے اور سنانے کا اہتمام ہے لیکن مرض ہے کہ زوروں پر ہے دوا وہاں نہیں پہونچ رہی ہے جہاں مرض ہے اس لئے علاج نہیں ہورہا ہے، **فالی اللہ المشتکی** 'خط بڑا طویل ہوگیا خدا کرے آپ بدمزہ نہ ہوگئے ہوں،لیکن ابھی دل ودماغ میں خیالات کا ایک ہیجان ہے لیکن ایک طالب علم سر پر سوار ہےاورآپ کی بدمزگی کا بھی احتمال ہے اس لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں میرے لئے بھی دعا فرمائیں کہ اپنی امت اعمال کو اچھی طرح جانتا ہوں، والسلام(اعجاز احمد اعظمی ۱۷رصفر۱۴۰۵ھ بحوالہ حدیث دوستاں)۔

رب کریم اوراس کے رسول سے عشق ومحبت کا راست اثر یہ ہوتا ہے کہ دلوں میں امت کی محبت اورالفت کے چراغ جل اٹھتے ہیں اوراس کی لو کبھی مدھم نہیں ہوتی ہے بلکہ سدافروزاں رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کہ زندگیاں امت کے غم میں پگھل جایا کرتی ہیں، وہ ملت اسلامیہ ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کے مصائب پرتڑپ اٹھتی ہیں، ظاہری وباطنی ارتقاء انسانیت کی فکر میں ان کے ایام مسلسل بے چینیوں اورراتیں کرب والم کی کیفیات میں گذر جایا کرتی ہیں۔

جاری۔۔۔۔۔

آخری قسط

مولانا گیلانی کی بے نفسی

شیخ غلام محمدؒ

ایک معاملہ جو خاص میرے ساتھ پیش آیا نہایت دلچسپ اور مولانا رحمتہ اللہ کی فراخ دلی کا ہے۔حضرت علامہ (سید سلیمان ندویؒ) قدس سرہ ۱۹۴۹ء میں جب حیدرآباد تشریف لائے تو احقر کا تعارف خود حضرت گیلانی ہی نے کروایا،اور علامہ کی خدمت میں پیش کیا تھا،حضرت علامہ کے تشریف لے جانے کے بعد ایک روز میں مولانا گیلانی کے دولت کدہ پر حاضر ہوا، بے تکلفانہ انداز میں تہد باندھے اور بنیان پہنے باہر نکل آئے،اور بیٹھ گئے،وہ حسب عادت آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے،اور میں ان کے چہرے انور پر ٹکٹکی باندھے ہوا تھا،دو تین منٹ گذرے ہوں گے مولانا چونک سے گئے،میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے،آپ تو ہمارے سید صاحبؒ سے متعلق ہیں، میں نے عرض کیا، ہاں، میرے اس ایک لفظ کے جواب کے ادا ہونے تک وہ کرسی سے اٹھ چکے تھے،گھر میں چلے گئے اور کرتہ پہنے سر پر ٹوپی اوڑھے باہر تشریف لائے اور پھر اس انداز سے بیٹھے کہ نسبت سلیمانی کا احترام صاف ظاہر تھا۔

ملے گی ایسی معاصرانہ احترام کی ایسی مثال،اور یہ تو ابتدا تھی، جب حضرت شیخ قدس سرہ کا وصال ہوا تو آخر زمانہ میں ایک گرامی نامہ کے ذریعہ احقر کو یہ وصیت فرمائی:

السید العلام المرحوم کی سوانح حیات کی ترتیب آپ کی زندگی کا بڑا اہم فریضہ ہے،خدا کرے اس کی طرف سے آپ کی توجہ نہ ہٹی ہو،دین دنیا کا یہ سودا ہے،اپنی علمی وتحریری کوششوں میں چاہئے کہ اسی کو سب سے زیادہ اہم واقدم قرار دیجئے،کاش مولانا کی یہ وصیت مجھ ناتواں اور ہیچمداں کے حق میں تائید غیبی کا موجب بن جائے۔

اب تک جو کچھ ذکر ہوا وہ تو مولانا کی اپنے ساتھیوں کے ساتھ فراخ دلی کا ایک اجمالی تذکرہ تھا،ان کے اشفاق اپنے چھوٹوں اور شاگردوں پر جو کچھ رہے اس کو وہی جانتے ہیں،جن کو مولانا سے یہ نسبتیں حاصل رہی ہوں،وہ اپنے چھوٹوں اور بہت چھوٹوں کو بھی خطوط میں اس طرح خطاب فرماتے تھے کہ اگر کوئی صاحب فہم سلیم نہ ہو تو پندار میں مبتلا ہو جائے اور اپنے کچھ ہونے پر اترانے لگے،مولانا

اپنے حال و غلبہ و تواضع سے مجبور تھے؛ مگر ان کا یہ طرز نادانوں کے لئے سخت ابتلاء کا موجب تھا۔

راقم آثم کو مولانا سے شاگردی کی نسبت بھی برائے نام ہی رہی ان کے شاگردوں کی فہرست میں تو ڈاکٹر حمید اللہ اور ڈاکٹر یوسف الدین اور ایسی ہی کتنی بلند و بالا ہستیاں ہیں؛ لیکن مولانا کا انداز خطاب مجھ بے علم و عمل کے ساتھ تک ملاحظہ ہو۔

''(۱) عزیز گرامی قدر، الشاب الصالح التقی مولوی غلام محمد صاحب ایدا کم اللہ بروح منہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ارحم الراحمین، رب المشرق، المغرب کی رحمت سے امید ہے کہ آپ اپنے اہل بیت کے ساتھ بخیر و عافیت ہوں گے۔

آپ کا نیاز مند مناظر احسن گیلانی۔۔۔۔۔۔۔''

''(۲) والا قدر، عزیز محترم مولوی غلام محمد صاحب۔ ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میری کوتاہیوں کے لئے میری علالت کا طویل سلسلہ شاید مستحق شنوائی ہوسکتا ہے بہ ایں ہمہ اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہوئے آپ سے یہ عرض ہے کہ اپنے اس خیر اندیش کو آپ کیوں بھول گئے یا آپ نے بھلائے رکھا۔۔۔۔۔۔''

یہ دو نمونے کیا اثبات مدعا کے لئے کافی نہیں، اور سچ مانئے کہ بعض خطوط میں اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر اظہار تواضع فرماتے اور دوسرے کو غریق شرمساری کر جاتے تھے اور اس سب کی اصل علت یہ تھی کہ وہ اس قدر متواضع تھے کہ ان کے ذہن میں کبھی یہ وسوسہ بھی آنے نہ پایا کہ وہ اس وصف عالی سے کسی درجہ میں متصف بھی ہیں، ورنہ احساس تواضع خواہ جس درجہ میں بھی ہو، خود عجب کی ایک شان ہے، اس لئے شروع مضمون میں عرض کیا گیا کہ ''تواضع کے معنی ان کو دیکھ کر سمجھ میں آتے تھے''۔ مولانا کی اسی بے نفسی اور تواضع کا ایک پہلوان کی بے تکلفی اور مزاج کی سادگی تھی، پچیس برس سے زائد حیدرآباد میں قیام فرما رہے اور اس پورے دور میں کبھی مستقلا اہل و عیال کو اپنے ساتھ نہ رکھا، گھر کے خرچ میں کسی ملازم پر اعتماد فرما کر مہینہ بھر کی یک مشت رقم اس کے حوالے کر کے مطمئن ہو رہتے تھے، پھر جو کھانے کو مل جاتا خوشی خوشی کھا لیتے تھے، آخر برسوں میں بہار ہی کے ایک حافظ صاحب مولانا کے خانساماں تھے، ان کا بیان ہے کہ مولانا گھریلو خرچ میں اس قدر دوسرے پر اعتماد فرماتے اور اس سے بے تعلق رہتے تھے کہ کوئی خائن مولانا کو آسانی سے ٹھگ سکتا تھا، یہی حال

لباس کا تھا، نہ اس کی نوعیت پر خاص توجہ تھی نہ وضع پر، کرتا بھی پہن لیتے تھے اور قمیص، پنج گوشہ کپڑے کی ٹوپی اوڑھ لیتے تھے اور ترکی ٹوپی بھی، سلیم شاہی جوتا بھی پہن لیتے تھے اور پمپ شوز بھی، جو جس وقت بلاتکلف میسر آجائے۔

یہی بے تکلفی ان کی مہمانی ومیز بانی میں بھی نمایاں رہتی تھی، ایک واقعہ اپنا یاد آیا۔ چھٹی کا دن تھا کسی کام سے مولانا ہمارے محلّہ میں تشریف لائے، ظہر کی نماز کے لئے میں مسجد گیا تو دیکھا کہ مولانا تشریف فرما ہیں، نماز کے بعد عرض کیا کہ جب حضرت دیر کے نکلے ہوئے ہیں تو دوپہر کا کھانا بھی تناول نہ فرمایا ہوگا، غریب خانے پر ماحضر قبول فرمالیں، مسکرا کر فرمانے لگے، ''اچھا چلئے'' گھر تشریف لے آئے، جو کچھ حاضر تھا، پیش کر دیا، مولانا نے اس انداز سے تناول فرمایا گویا ہر چیز مرضی کے مطابق تھی، فرمانے لگے۔ ''بھئی اب تھوڑی دیر لیٹ جاؤں گا'' بس یہ کہتے ہوئے ہاتھ کو سرہانہ بنا کر وہیں لیٹ گئے۔ بڑی مشکل سے بعد میں صرف تکیہ سر کے نیچے قبول فرمایا۔ دو ایک گھنٹہ آرام فرمایا پھر چائے پی کر اس سادگی سے رخصت ہو گئے گویا کوئی اپنے گھر ہی کا بڑا اپنی اولاد سے ملنے آیا تھا، کچھ دیر ٹھہر کر اپنی شفقتوں سے نواز کر چلا گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا کی سادگی اور بے نفسی کے اس اجمالی نقشہ کو پیش نظر رکھ کر، ان کا ایک ناآشنا بھی یہی رائے قائم کرنے پر مجبور ہوگا کہ ایسی ہستی سے تقشّف کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوسکتا اور یہی امر واقعی بھی تھی، مولانا بڑے خوش مزاج اور ظریف طبع انسان تھے، ان کی صحبتیں بڑی پر کیف ہوتی تھیں، علمی مسائل ہوں یا تصوف کے نکات، وہ نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان فرماتے تھے۔ فارسی، اردو، عربی اور ہندی ادب سے ان کو یکساں لگاؤ تھا اسی لئے ادبی لطائف ان کی زبان پر بے ساختہ جاری ہو جاتے تھے، بعض دفعہ ہنستے ہوئے وہ ہزلیات سے بھی عارفانہ نکات پیدا کر جاتے تھے، ایک مرتبہ مجھ سے فرمانے لگے یہ جو (فلاں ہندی شاعر کا نام لیا تھا) نے کہا ع۔ گوری دھیرے چلو گھگھر یا چھلک نہ جائے'' دراصل اس تمثیل میں بڑے گر کی بات بیان کی ہے دیکھو، ایک برہمن عورت ندی سے پانی بھر کر لے جاتی ہے، ایک گھڑا اس کے بغل میں ہے اور ایک سر پر اور اس کو چلنا ہے ایک پک ڈنڈی پر جو پیچ وخم لئے ہوئے ہے، اب کمال یہ ہے کہ وہ گھر تک پہنچ بھی جائے اور نہ گھڑے سے ایک قطرہ پانی چھلکنے پائے نہ اسکا قدم پک ڈنڈی سے ہٹنے پائے،۔

بقیہ صفحہ نمبر ۹ پر

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے

مفتی سعید اللہ صاحب مہراج گنجی
مدیر:۔ماہنامہ المناظر

سچ کہا ہے کہنے والوں نے ''حقائق الیوم أحلام الأمس '' آج کا مشاہدہ کل کا خواب ہے۔حقیقت یہی ہے کہ آج جو محیر العقول اور حیرت انگیز ایجادات اور کارنامے ہماری نظروں کو خیرہ کرتے نظر آرہے ہیں یقیناً پہلے ان کا فکر وخیال ان کے بلند حوصلہ موجدین کے ذہن ودماغ میں آیا تھا، پھر انہوں نے ان افکار کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے شبانہ روز جدوجہد اور انتھک محنت کی۔نتیجتاً آج ہم ان کی محنتوں کے ثمرات سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔اسی لئے دانا وبینا حضرات کا کہنا ہے کہ سوچ ہمیشہ اونچی رکھو۔چونکہ مذہب اسلام ایک لافانی اور آفاقی مذہب ہے اسی لئے وہ اپنے داعی اول،پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح (جو اولوالعزمی، بلند حوصلگی اور عالی ہمتی کے آسمان پر بدر منیر ہیں اور دنیا کی دیگر تمام شخصیتیں آپ کے بالمقابل ''سورج کے سامنے چاند'' کی مانند نظر آتی ہیں) اپنے پیروکاروں کو بھی اولوالعزم، عالی حوصلہ اور بلند ہمت دیکھنا چاہتا ہے۔چنانچہ قرآن وحدیث کے اوراق جا بجا اس طرح کی تعلیم سے بھرے پڑے ہیں، مختلف اسلوب اور پیرایوں میں ملت اسلامیہ کو اس پر ابھارا گیا ہے۔چنانچہ قرآن مقدس نے ''کنتم خیر امة''''وجعلنکم امة وسطا''اور''هو اجتبکم'' وغیرہ کے انداز تخاطب سے ایک طرف جہاں پوری ملت کی عزت افزائی فرما کر بحیثیت ملت احساس برتری عطا فرمایا، وہیں دوسری طرف اشارۃً یہ بھی واضح کر دیا کہ اس منصب جلیل کے حصول اور اس پر برقرار رہنے کے لئے رذائل سے کلی اجتناب کرتے ہوئے صفات عالیہ اور اخلاق محمودہ سے آراستہ ہونا ہوگا،اور اپنے دوش ناتواں پر مختلف ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا کر مختلف الانواع قربانیاں دینی پڑیں گی،اور سنت خداوندی کے عین مطابق وقتاً فوقتاً ابتلاء وآزمائش اور امتحان کی پرخطر اور پرمحن وادیوں سے گذرنا ہوگا۔

طبرانی کی ایک روایت ہے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''ان اللہ تعالیٰ یحب معالی الامور اشرفھاویکرہ سفافھا ''یعنی اللہ

تعالی بلند امور کو پسند کرتا ہے اور پست چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔

السراج المنیر شرح الجامع الصغیر میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے:

والإنسان يضارع الملک بقوة الفكر والتميز، ويضارع البهيمة بالشهوة والدنانة، فمن صرف همته الى اكتساب معالى الاخلاق احبه الله، فحقيق ان يلتحق بالملائكة لطهارة اخلاقه،ومن صرفها الى السفساف ورذائل الأخلاق، فيصير ضاريا ككلب او شرها كخنزير او حقودا كجمل او رداغا كثعلب او جامعا لذلک كشيطان.(الجزء الثانی ص ٦، ٧)

یعنی انسان عقل وشعور کی بدولت فرشتوں جیسا ہے، اور شہوت اور پست اخلاقی کی وجہ سے جانوروں جیسا ہے،تو جس نے اپنی ہمت اور توجہ بلند اخلاق کی جانب موڑ دی وہ اللہ کا محبوب ہے،اور فرشتوں کی صف میں کھڑے ہونے کے لائق ہے،اور جس نے رذیل اور پست اخلاق کی طرف رخ کیا تو وہ کتے کی طرح کٹ کھنا، یا خنزیر کی طرح ہوسناک، یا اونٹ جیسا کینہ پرور، یا لومڑی جیسا مکار، یا ان سب کا مجموعہ یعنی شیطان ہے۔

صحابہ کرام میں زندہ دلی اور اولوالعزمی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔امام بخاری نے اپنی کتاب " الادب المفرد " میں ایک حدیث ذکر کی ہے جس کے راوی حضرت عبدالرحمٰن ہیں، اس حدیث میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

لم يكن اصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم متحزقين ولامتماونين، كانوا يتناشدون الشعر فى مجالسهم، و يذكرون امر جاهليتهم، فاذا اريد احد منهم على شيء من امر الله دارت حماليق عينه كانه مجنون.

یعنی صحابہ کرام نہ تو مردہ دل تھے اور نہ ان کے جسموں پر مردنی طاری رہتی تھی، وہ اپنی مجلسوں میں اشعار بھی پڑھتے تھے اور دور جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ بھی کرتے تھے،لیکن اگر احکام الٰہی کے خلاف ان کو استعمال کرنے کی کوشش کی جاتی،تو ان کی آنکھوں کے دیدے گھومنے لگتے تھے۔ عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کی مثالوں سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔ بلکہ بلاخوف تردید بڑے ہی حوصلے سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلامی تاریخ عالی ہمتی اور بلند حوصلگی ہی کا دوسرا نام ہے۔

یاد آتا ہے کہ خلیفہ معتصم باللہ کے دور خلافت میں عموریہ کے حکمراں نے ایک سرحدی عورت

کو قید کرلیا، اس وقت عموریہ معتصم باللہ کے قلمرو میں نہیں تھا، سرحدی خاتون جب قید کی جارہی تھی تو اس نے ایک سرد آہ بھر کر درد بھرے لہجے میں کہا: ''وامحمداہ، وامعتصماہ ''،معتصم کو جب یہ خبر پہونچی تو فوراً گھوڑے پر سوار ہوا، اور ایک لشکر جرار لے کر عموریہ (جسے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا) پر حملہ کر کے فتح کر لیا اور اس کے سامنے کھڑے ہوکر جواب دیا''لبیک ایتھا المنادیۃ ''اے پکارنے والی میں حاضر ہوں۔

ابومسلم خراسانی جو خلافت عباسیہ کا بانی ہے، اس کو عالی ہمتی کی وجہ سے نیند نہیں آتی تھی، رات بھر کروٹیں بدلتا رہتا اور اپنے بلند مقصد تک پہنچنے کی تدبیریں سوچتا، اس کی بے خوابی کے بارے میں جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے جو جواب دیا، تاریخ نے اسے محفوظ کرلیا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

ذھن صاف، وھم بعید، ونفس تتوق الی معالی الامور ، یعنی روشن دماغ، عالی ہمت اور مقاصد عظیمہ کا شوق مجھے سونے نہیں دیتا۔

ولکل جسم فی النحول بلیۃ ☆وبلاء جسمی من تفاوت ھمتی

ہر جسم کی لاغری کسی بلاء یا کسی مصیبت کی وجہ سے ہے، لیکن میرے جسم کی سب سے بڑی مصیبت میری عالی ہمتی ہے۔

سلطان الشعراء مرزا اسد اللہ خان غالب رقم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا روز ازل سے یہ دستور رہا ہے کہ جتنی ہمت کروگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی ہی توفیق نصیب ہوگی، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ انسان چھوٹی چیز کی ہمت کرے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے سے بڑے کام کی توفیق ہو۔ چنانچہ آپ کا یہ شعر بہت مشہور ہے:

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے ☆ آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ ہوا تھا

اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے خواجہ الطاف حسین حالی لکھتے ہیں: جس قدر ہمت عالی ہوتی ہے اس کے موافق اس کی تائید غیب سے ہوتی ہے، اور ثبوت یہ ہے کہ قطرہ اشک جس کو آنکھ میں جگہ ملتی ہے اگر اس کی ہمت جب کہ وہ دریا میں تھا موتی بننے پر قانع ہوجاتی، تو اس کو یہ درجہ یعنی آنکھوں میں جگہ ملنے کا حاصل نہ ہوتا، بلکہ وہ کانوں اور گلوں تک ہی محدود رہ جاتا۔

آج مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ان میں اسلاف جیسی عالی ہمتی نہ رہی، اور ان کی صفوں میں وہ صاحب حوصلہ انسان نہ رہے جو''رھبان اللیل و فرسان النھار '' کا مصداق

تھے۔جن کے عزائم کا راستہ پہاڑوں کی حوصلہ شکن بلندیاں،سمندروں کی عمیق گہرائیاں، وقت کے نامساعد اور جگر خراش حالات اور زمین کے دل کو دہلا دینے والی اُعداء کی کثرت وقوت بھی نہ روک سکی۔

مسلمانوں کے اسباب زوال پر بحث کرتے ہوئے الامیر شکیب ارسلان اپنی کتاب ''**لماذا تأخر المسلمون ولماذا تقدم غيرهم**''میں لکھتے ہیں:

من اعظم اسباب انحطاط المسلمين في العصر الأخير فقد كل ثقة بأنفسهم، وهو من أشد الأمراض الاجتماعية،واخبث الآفات الروحية، لا يتسلط هذا الداء على انسان إلا ادوى به۔

یعنی مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ان میں خوداعتمادی کا فقدان ہے۔ یہ معاشرہ کی سب سے شدید بیماری ہے،اور روحانی امراض میں سب سے خبیث ترین مرض ہے۔یہ مرض جس انسان اور معاشرہ پر مسلط ہوجاتا ہے تو اسے فنا کے گھاٹ اتار کر چھوڑتا ہے۔

شیخ جمال الدین افغانی جن کی اولوالعزم اور باوقار شخصیت محتاج تعارف نہیں،آپ نے ماضی قریب میں الحادولادینیت کے طوفان بلاخیز کے سامنے سدسکندری قائم کرنے اور امت مرحومہ کو زوال کی گہرائیوں سے نکالنے کی جو تاریخ ساز کوششیں کیں،وہ اسلامی تاریخ کا روشن باب ہیں۔) بڑے درد کے ساتھ کہا کرتے تھے:**ان المسلمين قد نامت خواطرهم، وفترت عزائمهم، و بقي فيهم شيء واحد وهو شهواتهم۔**

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کے عزائم سوگئے،انسانی اولوالعزمی سرد پڑ گئی،ہاں ان میں صرف ایک چیز باقی رہ گئی ہے،اور وہ ہے ان کی خواہشات۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم الحادولادینیت کی علم بردار طاقتوں کی غلامانہ ذہنیت سے نکل کر اپنی تاریخ اور اسلاف کی قابل فخر شخصیتوں سے سبق لیں،اور جمود وتعطل اور احساس کمتری کی عمارت کو جلد از جلد منہدم کرکے اپنی فکر میں پرواز،ہمت میں بلندی اور عزائم میں رفعت پیدا کریں، اور اپنے عالی حوصلہ اسلاف کی طرح عزم وہمت،صبر واستقلال،جہد ووفا،خلوص وللّٰہیت اور استغناء عن الدنیا کی ایک شاندار تاریخ رقم کریں،اور اقبال کے الفاظ میں ستاروں سے کم پر راضی نہ ہوں۔

پھر انشاء اللہ ذلت وخواری کے یہ سیاہ بادل چھٹ جائیں گے،اور دین ودنیا کی عزت عظمت،رفعت وسربلندی،اور کامیابی وکامرانی ہمارے قدم چومے گی۔

صحرا نشین

شعر وادب کے میدان میں

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

جب جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے، جب موت آس پاس پھر رہی تھی، جب بہادر دشمنوں سے برابر کی ٹکر ہو رہی تھی، جب خوں بہا اور قصاص کی کشمکش تھی، جب نازنینان حرم جنگ میں لڑنے والوں کی غیرت کو ابھار رہی تھیں، جب سخاوت، مروت اور مظلوموں کی دستگیری زبان حال سے بول رہی تھی ۔۔۔۔۔ اور عرب شعراء ۔۔۔۔

اہل عرب شجاعت اور جواں مردی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، یہی وصف ان کی شاعری کا شاندار بلکہ گراں قدر موضوع ہے، عربوں کی شاعری پڑھ کر ان کی بہادری اور مردانگی کے کارنامے معلوم ہوتے ہیں، عرب شعراء کی رجزیہ اور رزمیہ شاعری طوفان کی طرح پر جوش اور شعلوں کی طرح شدید ہے، لڑائی کے وقت دشمنوں کی صفوں میں گھس جانا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے اور کسی کی جان لینا اور اپنی جان دینا ان کے نزدیک ایک معمولی بات تھی، ہنگامۂ جنگ میں شیروں کی طرح قتال پر آمادہ ہو جاتے تھے۔

مقادیم وصالون فی الروع خطوهم　　　بكل رقيق الشفرتين يمانی

''وہ لوگ لڑائی میں سب سے آگے رہنے والے ہیں اور خوف کی جگہ اپنے قدم دودھاری تلوار سے ملانے والے ہیں''۔

فلما صرح الشر　　　فامسى و هو عريان

ولم يبق سوى العدوان　　　دنا هم كما دانوا

مشينا مشية الليث　　　عذا و الليث غضبان

''پس جب لڑائی کھلم کھلا ہونے لگے اور سوائے ظلم وانتقام کے اور کچھ باقی نہیں ہرا، تو ہم نے ان سے ویسا ہی معاملہ کیا، جیسا کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا تھا، پس ہم ان کو سزا دینے کے لئے ایسے شیر کی چال چلے، جو غضبناک ہو''۔

عنترہ مشہور جاہلی شاعر اور شہسوار اپنی تعریف میں کہتا ہے:۔

و حلیل غانیة ترکت مجدلا تمکو فریصتة کشدق الاعلم

''اور بہت سی خوبصورت عورتوں کے شوہروں کو میں نے ایسے خیال میں زمین پر گرا دیا، کہ خوف کی وجہ سے ان کے شانوں کے گوشت پھڑ کتے تھے،اوران کے زخموں سے خون ایسے زور سے نکلتا تھا کہ جیسے ہونٹ بند کئے ہوئے آدمی کی سانس کی آواز نکلتی ہے''۔

و مدجج کرہ الکماة نزاله لا ممعن ھربا و لا مستسلم

''اور بہت سے ایسے مسلح آدمیوں کو(زمین پر گرادیا) جن سے بہادر آدمی بھی لڑتے ہوئے خوف کھائیں اور جو نہ لڑائی سے کبھی بھاگیں، نہ دشمن کی اطاعت قبول کرے''۔

جادت له کفی بعاجل طعنة بمثقف صدق الکعوب مقوم

''ایسے بہادروں کو میرے ہاتھ نے بہت جلد سیدھے اور گٹھیلے پوروں کے نیزہ کا زخم عطا کیا''۔

فشککت بالرمح الاصم ثیابه لیس الکریم علی القنا بمحرم

''پس میں نے ان کو مضبوط نیزہ سے بیندھ لیا اور بہادر آدمی تیروں کے لئے حرام نہیں ہیں'' (یعنی بہادر آدمی ہی نیزہ کا زخم کھاتا ہے)

فترکته جزر السباع ینشنه یقضمن حسن بنانه والمعمصم

''پس میں نے ایسے بہادروں کو درندوں کی خوراک بنا دیا، چنانچہ وہ ان کی نعشوں کو جھنجھوڑتے تھےاوان کی نازک انگلیوں اور کلائیوں کواپنے اگلے دانتوں سے کھاتے تھے۔

(۲) چونکہ عرب کی عورتیں اپنے شوہروں کی شجاعت پر فخر کرتی تھیں اوران کی بزدلی کو سخت معیوب جانتی تھیں اس لئے اکثر شعراء جب اپنی شجاعت کا ذکر کرتے تھے تو اپنی بیویوں کو خطاب کیا کرتے تھے۔ چنانچہ مشہور جاہلی شاعر عامر ابن طفیل اپنی بیوی کو خطاب کر کے کہتا ہے:۔

طلقت ان لم تسألی ای فارس حلیلک اذ لاقی صداء و خثعم

''تجھ پر طلاق ہوا گر تو حاضرین معرکہ سے یہ نہ پوچھے کہ تیرا شوہر کیسا عمدہ شہسوار تھا، جب وہ قبیلہ صدا اور قبیلہ خثعم سے لڑا''

اکر علیھم دعلجا و لبانه اذ اما اشتکی وقع الرماح تحمحما

''میں نے اپنے گھوڑے کو (جسکا نام دعلج تھا) اوراس کے سینہ کوان کے اوپر لوٹا دیا تھا اور

جب دشمن تکلیف محسوس کرتا تھا تیروں کی ضرب لگائی تو اس کے منہ سے ہنہنانے کی آواز نکلتی تھی''۔

سیار بن قصیر الطائی لکھتا ہے:۔

لـو شهـدت ام الـقديد طعاننا بمر عش خيل الارمنی ارنت

''اگر میری بیوی ام قدید مرعش کے معرکہ میں موجود ہوتی جب کہ ارمنی سواروں سے نیزہ بازی کرر ہے تھے تو وہ شدت خوف سے چیخ پڑتی''۔

عشية ارمـی جـمـعهـم بلبانـه و نفسی وقد وطنتهما فاطمانت

''(وہ چیخ پڑتی) اس شام کے وقت جب کہ میں تیراندازی کرر ہا تھا، اور دشمنوں کو اپنی جان اور اپنے گھوڑے کے سینہ سے دفع کرر ہا تھا اور میں نے اس وقت اپنی جان کو مصائب کے لئے مستعد کر دیا تھا اور وہ مستعد ہوگئی تھی''۔

(۳) یہ لوگ جنگ سے منہ موڑنے کو سخت بزدلی اور اپنے لئے باعث شرم خیال کرتے تھے اور یہ بات فقط زمانہ جاہلیت سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ زمانہ اسلام میں بھی ان لوگوں کے یہی خیالات تھے، چنانچہ حصین بن حمام المری جو مخضرم ہیں، یعنی پہلے کافر تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف حاصل کیا، کہتے ہیں:۔

تاخرت استبقی الحيوٰة فلم اجد لـنـفسی حيوة مثل ان اتقدما

''میں بقید حیات کی امید میں میدان جنگ سے پیچھے ہٹا، مگر اپنے لئے کوئی زندگی پیش قدمی کرنے سے بہتر نہ پائی''۔

فكسنا على الاعقاب تدمی كلومنا ولكن على اقدامنا تقطر الدماء

''پس ہمارے زخموں کا خون ہماری ایڑیوں پرنہیں گرتا بلکہ ہمارے قدموں پر گرتا ہے، یعنی ہم میدان جنگ سے منہ نہیں موڑتے، بھاگنے والوں کی طرح پشت پر زخم نہیں کھاتے، جو ہماری ایڑیاں خون آلود ہوں''۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:۔

فـلست بمبتا ع الحيو ة بذلة ولارتق من خشية الموت سلما

''میں ذلت کے ساتھ اپنی زندگی کا سودا نہیں کرتا اور نہ میں موت کے خوف سے سیڑھی پر چڑھنے والا ہوں!''۔

(۴) کثرت قتال اور جنگ وجدال میں مصروف رہنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے:۔

و ایامنا مشهورة فی عدونا　　لها غرر معلومة و حجول

''اور ہمارے معرکے ہمارے دشمنوں میں مشہور ہیں اوران کے چہروں اور پیروں کے نشانات درخشندہ معلوم ہیں''۔

واسیافنا فی کل غرب و شرق　　بها من قراع الدارعین فلول

''اور ہماری تلواریں مغرب اورمشرق میں مشہور ہیں،اورزرہ پوش بہادروں کے ساتھ کھٹا کھٹی سے دندانے پڑے ہوئے ہیں''۔

معودة الا تسل نصالها　　فتغمد حتی یستباح قبیل

''ہماری تلواریں اس بات کی خوگر ہیں کہ جب نیام سے باہر کھینچی جاتی ہیں تو جب تک کوئی قبیلہ قتل نہ ہوجائے نیام میں واپس نہیں جاتیں''۔

(۵) یہ لوگ لڑائی میں جان دینا باعث فخر سمجھتے تھے، کیوں کہ اس سے مرنے والے کی بہادری ثابت ہوتی ہے۔سموئیل بن عادیاایک یہودی شاعرلکھتا ہے۔

وانا لقوم ما نری القتل سبة　　اذا ما راء ته عامر و سلول

یقرب حب الموت اجالنا لنا　　و تکرهه آجالهم و تطول

وما مات منا سید حتف انفه　　ولا طل منا حیث کان قتیل

تسیل علی حد الظبات نفوسنا　　ولیست علی غیر الظباة تسیل

''ہم ایسی قوم ہیں کہ لڑائی میں مارے جانے کوننگ وعار(بری بات)نہیں سمجھتے جب کہ بنی عامر اور بنی سلول اس کوعار جانتے ہیں۔موت کا دوست رکھنا ہماری آخری اوقات کو ہم سے قریب کردیتا ہےاو ران کے آخری اوقات موت سے ڈرتے ہیں،اس لئے وہ طویل العمر ہوجاتے ہیں۔ہمارا کوئی سردار بستر پرنہیں مرا، بلکہ جومرا لڑائی میں مرااور ہمارکوئی مقتول ایسانہیں ہے جس کا قصاص نہ لیا گیا ہو۔ہمارے خون ہماری تلواروں کی دھاروں پر بہتے ہیں اورتلواروں کی دھاروں کےعلاوہ کس اور چیز پرنہیں بہتے۔

(۶) یہ لوگ طول عمر اور بڑھاپے کواچھا نہیں سمجھتے تھے،اوران کا خیال تھا کہ موت کا وقت مقرر ہے،لہذاانسان کومیدان جنگ سے جان چرانی زیبانہیں ہے،چنانچہ قطری بن الفجاءۃ کہتا ہے:۔

فانک لو سألت بقاء یوم　　علی الاجل الذی لک لم تطاع

''کیوں کہ اگر تو اپنے وقت مقررہ سے ایک دن کی زندگی بھی زیادہ مانگے گا تو تیرا کہا نہیں مانا جائے گا:۔

سبیل الموت غایة کل حی فداعیة لاھل الارض داع

''ہر زندہ آدمی کو یہی راہ چلنی ہے، کیونکہ موت زمین کے تمام بسنے والوں کو انجام کار اپنی طرف بلاتی ہے''۔

ومن لا یعتبط یسم و یھرم و یسلمه المنون الی انقطاع

اور جو شخص جوان ہلاک نہیں کیا جاتا وہ بوڑھا اور زندگی سے تنگدل ہو جاتا ہے اور زمانہ اس کو فنا اور ہلاکت کے سپرد کر دیتا ہے''۔

وما للمرء خیر من حیوة اذا ما عد من سقط المتاع

''اور مرد کے لئے جیتے رہنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے، جب کہ وہ بڑھاپے کے سبب سے نکما اور ناکارہ سمجھا جائے''

جاری۔۔۔۔۔

☆۔۔۔☆۔۔۔☆

صفحہ/۵۸ کا بقیہ آج مسلم عوام کے حالات بہت ابتر ہیں، کبھی کبھی کچھ واقعات سننے میں آجاتے ہیں تو سخت تکلیف ہوتی ہے ان کو ٹھیک سے کلمہ پڑھنے نہیں آتا ہے، ان کو دین کی بنیادی باتیں معلوم نہیں ہیں، آخر یہ خرابیاں کن لوگوں سے دور ہوں گی، یہ۔ بھولے بھالے عوام کب تک انھیں حالات میں پڑے رہیں گے، آخر یہ کن لوگوں کا فرض ہے کہ خدا کے دین کے تبلیغ کریں، مولانا کے یہ الفاظ میری خوابیدہ روح کو جھنجھوڑ رہے تھے۔ ایک طاقتور قلب کس طرح اثر انداز ہوتا ہے اس کا صحیح اندازہ مجھ کو پہلی بار ہوا تھا۔

مولانا نے فرمایا: تم جس کام کے لئے آئے تھے وہ تو ہوا ہی نہیں، لاؤ تمہارے سوالات دیکھوں، میں نے عرض کیا، ان قیمتی باتوں کے بعد اب کسی انٹرویو کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے، میرے لئے یہی بہت کافی ہے، میرا یہ کہنا تھا کہ مولانا پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی اور فرمایا مجھ کو یہی امید تھی، آخر خاندانی اثرات کہیں جاتے نہیں ہیں، جزاک اللہ تم نے بہت معقول جواب دیا، دوبارہ خدمت میں حاضر ہونے کا وعدہ کر کے میں نے اجازت چاہی۔ نیچے پہنچا تو اپنے کمرے میں عزیز دوست اشتیاق علی چائے پر انتظار کر رہے تھے، ان کی رفاقت اور ان کا بے پناہ خلوص میرے لئے باعث تقویت ہے۔

عارف باللہ حضرت مفتی محمد حنیف صاحبؒ کے نقوش حیات

مولانا ابوعبیدہ صاحب اعظمی

دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات		تھی سراپا دین ودنیا کا سبق تیری حیات

انسانی دنیا پر قیامت صغری کا وقوع لحہ بہ لحہ ہوتا رہتا ہے نیز ''کلّ نفسٍ ذائقة الموت '' جیسے محکم ولا زوال تقدیر ازلی کے مطابق " آمد ورفت " عالم فانی صفت کی فطرت ہے مزید ''کُلُّ مَنْ علیها فَان " جیسی آئینہ دار حقیقت انسانیت کے لیے ایک پیغام ہے کہ عمر فانی، زوال کا پیش خیمہ ہے طویل آس اور عریض تمنائیں مائل بہ خاک ہیں، جاہ ومنصب روح انسانی کے قفص عنصری سے پرواز کرتے ہی لاشی ہوجاتے ہیں؛ لیکن کچھ نابغہ روزگار اور عبقری ہستیاں بسبب خلوص وللّٰہیت، مرجع خلائق اور مرکز تعلیم وتربیت ایسی ہوتی ہیں کہ جن کا ارتحال نفس واحد اور ذاتِ واحد سے متجاوز ہوکر مکمل عالم کے لیے باعث رنج واَلم ہوتا ہے، علم وحکمت کی بزم شہرِ خموشاں کی صورت گر ہوجاتی ہیں، درس وتدریس کی جلوہ گاہ ماتم کدہ بن جاتی ہے، تصوف وسلوک کی محفلیں ویران ہوجاتی ہیں، ہدایت وارشاد کا پھل دار درخت بے برگ ہوجاتا ہے، رونقِ انجمن پھیکی پڑ جاتی ہے، قدسیان ارض میں آہ وبکا کا ماحول بن جاتا ہے، اور قدسیان فلک میں فرحت وشادمانی کا سماں بن جاتا ہے، متعلقین ومنتسبین مدتوں سسکیاں لیتے رہتے ہیں۔ الغرض جن کی رحلت سطح ارضی کے ذرات تک کو زبان حال سے کچھ یوں سنا جاتی ہے۔

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ☆ ملنے کے نہیں، نایاب ہیں ہم

اس سے میری مراد علمی اور فقہی دنیا کے شہسوار، بہتوں کے لیے راہِ مستقیم کے اسباب، گُم گشتہ راہ کے لیے جادہ ہدایت، اپنے زمانہ میں فقہ وفتاویٰ کے سرخیل، علومِ حدیث کے شناور، رجال سازی میں درجہ اتم مہارت رسیدہ، میدان شریعت میں رہبر ومقتدی کی حیثیت کے حامل، اہل علم کے سر کے تاج، علمائے امت کے ناز ونیاز فقیہ النفس عارف باللہ حضرت مولانا مفتی شاہ محمد حنیف صاحب نور اللہ مرقدہ، پیر ومرشد شیخ طریقت حضرت مولانا مفتی لئیق احمد صاحب پھولپوری دامت

برکاتہم ہیں۔

گویا آپ رحمۃ اللہ علیہ شاعر مشرق،مغرب دیدہ،کعبہ رسیدہ ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر کے حقیقی مصداق ہیں جوانھوں نے خود کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

تو بھی ہے اسی قافلہ شوق میں اقبال ☆ جس قافلہ شوق کا سالار رہے رومی

چشم دید منظر

مادر علمی ''مدرسہ اسلامیہ عربیہ دارالابرار کیفی روڈ پھولپور اعظم گڑھ'' کی علمی فضا اور تربیت گاہ میں راقم الحروف نصاب مولویت کے ابتدائی مراحل میں قدم رکھا تھا،ابھی چند ہفتے یا مہینے ہی گزرے تھے کہ ایک روز مادر علمی زیب وزینت سے زیب تن کیا جارہا تھا،اسباب آرائش سے مزین کیا جارہا تھا،عندلیب خانہ خوشی کے گیت الاپ رہے تھے،صغیر وکبیر واقف وناقف ہر کسی کے چہرے پر فرحت وانبساط کے آثار نمایاں تھے،انتظار دید کہ یہ ساعت آہستہ آہستہ اس لمحہ تک لے چلی جہاں دیدار سے محظوظ ہونے کا شرف ملا۔

کیا دل آویز منظر تھا

صبح کے دس بج رہے تھے آفتاب ہلکی ہلکی رفتار میں سفرِ نصف النہار کی جانب رواں تھا، نادیدہ آنکھیں انتظار دید میں ایک جانبِ مخصوص قدم افزا تھیں،اور ''صحن دارالابرار'' میں ہر چہار جانب فقط ایک ہی صدا گشت کررہی تھی کہ ''بابا آرہے ہیں،بابا آرہے ہیں'' کچھ ہی لمحے میں انتظار کے لمحات اپنی انتہا کو پہونچے،میری آنکھوں نے بھی اس خدا ترس،علم پوش اکابرین امت کے نظرِ خاطر ہستیِ نایاب کا دیدار کیا اور ایک دیر تک دیکھتا ہی رہ گیا۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان ☆ گفتار میں کردار میں ہے اللہ کی برہان

حلیہ

متوسط سے کچھ پست قد وقامت،فراخ جبیں،طوالت لیے ہوئے،مدور چہرہ،بہ قدر سبک باریک بنی ناک نہ زیادہ لمبی نہ زیادہ پست،کھلا ہوا گندمی رنگ،سفید خفیف داڑھی،ہلکا پھلکا بدن؛ لیکن انتہائی مضبوط،عبا نہ قبا پگڑی نہ جبہ دستار،سر پر پانچ کلی والی گول ٹوپی،سفید کرتا،سفید عربی پائجامہ،مضحکہ خیز باتوں سے لبوں پر تبسم کھیلتا نظر آتا،چہرے پر تادم آخر عصمت نمایاں تھی،عجز وانکسار

کے مجسم، ہر ہر ادا سے سادگی کا انکشاف حضرت فقیہ النفسؒ کی یہ تصویر ہم طلبہ کی خیالی تصویر سے بہت جدا تھی کہ مشائخ اور بادہ خواران علم ومعرفت کا شِکُوہ وجلال بھی معدوم، نہ وضع قطع پر اس شہرت کی کوئی چھاپ تھی جو آپ کی آمد سے چند ساعت قبل اہلیان چمن کی زباں زد تھی۔آہ

ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون

یہ پہلا دیدار تھا بعد اس کے حضرتؒ عمر کے آخری ایام تقریبا چار سال اپنے مسترشد خاص شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ مفتی لئیق احمد صاحب بانی ومہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ دارالابرار کیفی روڈ پھولپور گہر فشانی اور نور افشانی کے لیے تشریف لائے۔

اختصار کے پیش نظر آپؒ کے ابتدائی حالات زندگی سے چیدہ چیدہ اجزاء رقم کرتا ہوں جو سندا راقم الحروف تک موصول ہوئی؛ چناں چہ آپ کے خلیفہ اجل شیخ طریقت حضرت شاہ مولانا مفتی لئیق احمد دامت فیوضہم العالیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سبقا سبقا حاصل کیا جو درج ذیل ہیں۔

آبائی وطن

ملک عزیز بھارت کے شیراز ہند نامی ضلع جونپور کا خطہ ''جمد ہاں'' آپ کے آبا واجداد کا وطن اقامت رہا، بعد ازاں اسی سرزمین جونپور کے گاؤں ''لپری'' جو آپ کا ننھیال تھا، منتقل ہو گئے ایک طویل عرصے تک یہاں مقیم رہے پھر بہ حکم الٰہی اس مکان کو مدرسہ کے لیے وقف کر دیا جو آج بھی ''تعلیم القرآن'' کے نام سے مشہور ہے۔آخری نقل مکانی ضلع مذکور میں واقع ایک دینی ادارہ ''مدرسہ ریاض العلوم گورینی'' کے قریب لب روڈ پر ہوئی جو آج بھی موجود ہے۔

ابتدائی تعلیم

ابتدا کے چند شعبے پرائمری پنجم تک ''چپٹا پور'' کے ایک سرکاری اسکول میں زیر تعلیم رہے، قدرت خداوندی نے ذہانت وفطانت اور ذکاوت وچاق بندی کے درجہ اعلی تک پہنچا رکھا تھا، جس کا مظاہرہ ابتدائے تعلیم سے ہوتا ہے؛ چناں چہ، نمبرات کے حصول میں آپ دوسرے بچوں پر فوقیت رکھتے تھے۔

اساتذہ کی نوازشات

آپ کی اعلی فہم وفراست سے مطمئن ہو کر آپ کے اساتذہ کہا کرتے تھے کہ جد و جہد اور

کوشش وکاوش کے دامن سے ربط رکھنا۔ وقت کے ڈپٹی کلکٹر کے منصب اعلی پر جلوہ گر رہو گے،لیکن مرضی خداوندی کے مطابق درمیان میں چند سال فترت کا زمانہ رہا اس طریقے سے عمر کے یہ قیمتی اوقات اہلیان بیت کی کچھ عدم توجہی اور کچھ معاشی بحران کے سبب تعلیم سے انقطاع کی حالت میں گزر گئے؛ لیکن چوں کہ، جہد مسلسل اور جہد پیہم آپ کا فطری عنصر تھا سلسلہ تعلیم گرچہ منقطع ہوگیا تھا، باوجود اس کے آپ زندگی کے ہر محاذ پر حوادثات کے سامنے شیشہ پلائی دیوار کے مانند ثابت قدم رہے۔

بہرکیف تلاشِ معاش کی غرض سے آپ نے ممبئی کا رختِ سفر باندھا اور وہاں مقیم رہ کر کبھی مطعم (ہوٹل) میں اجرت کرتے اور ضرورت پڑنے پر قلی کے کام میں زندگی کے کچھ حصے گزرے پھر ازل کا فیصلہ سبقت کیا اور آپ وطن مالوف ایک مدت کے بعد واپس روانہ ہوگئے۔

چرواہے اور مزدوری کے کام

وطن واپسی کے بعد بھی ذریعہ معاش کی تلاش جاری رہی، والد صاحب کے پاس کچھ بکریاں تھیں جس کی نگرانی آپ کو سونپ دی گئی، علاوہ ازیں تنگ دستی،خشک سالی اور معیشت کی کمزوری کے سبب لوگوں کی مزدوریاں بھی کر کیا کرتے تھے۔

علویات وسفلیات

تعلیمی فترت کے زمانہ میں علویات وسفلیات کا رجحان ہوا آپؒ فرماتے کہ خوب سیکھا اور اس میں خوب طبیعت لگی؛ چناں چہ،''نارائن'' نامی ایک سحر طراز شخص کے دائرہ طلسم میں چند زینے عمر کے گزارے،آپ فرماتے کہ: لمحات زندگی کے ان موتیوں کو سخت کوششوں کی ڈور میں پرونے کی تمام تر محنت کیا اور اس میدان میں بھی فتح کا جھنڈا نصب کرنے میں کامیاب رہا۔

حصول سند

آپ کا بیان ہے کہ استاذ ''نارائن'' سے سند فراغت کا حصول اس وقت ہوتا جب کہ جلتا فتیلہ منہ میں داخل کر کے من وعن جلتے ہوئے نکالنے میں متعلمِ سحر، کامیاب ہوجاتا، علاوہ ازیں ''سید کرم حسین'' سے علوی عمل کی تعلیم لی۔ بعد ازاں عملی میدان کی سیاحت کی اور شہرت کی چوٹی تک رسائی کیا اور اللہ رب العزت والجلال نے دعا میں بڑی تاثیر رکھی تھی دعا کرتے تو عموماً بہ فضلِ الٰہی شفا کا ظہور ہوتا۔

لقب

سفید لنگی،سفید کرتا،سفید عمامہ میں ملبوس رہتے اور پاؤں میں لکڑی کی کھڑونچی،ایک ہاتھ میں عصا دوسرے ہاتھ میں تسبیح کا دانہ رہتا اور دربار عوام خواص میں ''حنیف شاہ'' سے جانے اور پہچانے جاتے۔اور بہت گہرائی سے کہتے کہ:یہ بھی زندگی کا ایک یادگار لمحہ رہا۔

حکیم الامت کے ایک رسالہ پر پڑی نظر

تقدیر الٰہی میں علوم ومعرفت کا یہ مرکب معجون دین متین کی نشر واشاعت کے لیے معرض تخلیق آیا تھا،اللہ تعالیٰ نے راہ حق میں پیش آنے والے موانع کو بے زور کرتے ہوئے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مصنفہ ایک رسالہ غالباً ''راحت القلوب'' کے مطالعہ کی توفیق دی،دبستان دل کے کمہلائے اور ضعف پذیر اشجار سبزہ زار ہوگئے۔دل میں عشق الٰہی کی ایسی آگ لگی کہ بجھنے کے درپے نہ ہوئی اور بجھتی بھی کیسے جس کے سرد ہونے کے لیے آبِ شفائے قلوب درکار تھا۔گزشتہ اوقات پر رنجیدہ خاطر ہوا بہت افسوس ہوا؛لیکن حیاتِ باقی ماندہ کو آخرت کی پونجی تصور کرتے ہوئے اہل دل سے اصلاحِ ظاہر وباطن کا عزمِ مصمم کیا۔

حکیم الامت کی خدمت میں خط وکتابت

کتاب مذکور سے استفادہ کے بعد صاحب کتاب سے مزید استفادہ کی خواہش ہوئی تو صاحبِ کتاب حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی خدمت میں عریضہ روانہ کیا،صحیح رابطہ اور علم نہ ہونے کے سبب ''خط'' ایشیا کی مشہور ترین درسگاہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور پہنچ گیا؛لیکن ادارہ کے نیک خو اور نیک صفت احباب نے آستانہ بیعت وارشاد حکیم الامت تک خط کو ارسال کرنے میں اعانت کی اور بحمد اللہ خط مقام مقصود پر موصول ہوا۔بعدہ جوابی تحریر مجھ تک موصول ہوئی جس کا مضمون کچھ یوں تھا۔

پیرانہ سالی کے سبب خدمت سے معذور ہوں؛لیکن آپ کے اطراف میں موجود میرے خلفا کی یہ فہرست ہے ان میں جن سے مناسبت معلوم ہو اصلاحی تعلق قائم کرلیں۔

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے:کہ اس عاجز گم گشتہ راہ کے مقدر میں مصلح الامۃ حضرت شاہ مولانا وصی اللہ صاحبؒ کا سایہ عاطفت مقدر تھا؛چناں چہ،مخدومی ومربی

حضرت شاہ صاحب کی خانقاہ واقع ''فتح پور تال نرجا''، ضلع ''مئو'' بہ ذریعہ آپ کے مرید حاضر ہوا۔

حضرت شاہ صاحب کی دلداریاں اوران کے مشفقانہ روابط نے وارفتگی قلوب میں عقیدت ومحبت کی مزید آمیزش کی، مناسبت بڑھتی گئی، تعلق خوش گوار ہوتا گیا؛ محبت کی انگیٹھی شعلہ زن ہو چکی تھی اس لیے اتنا ادنی وصل تشنہ لب دل کی تسکین کے لیے ناکافی رہا، بربط قلب سے صحبت مسلسل کی پکار اٹھتی، جس کی رفاقت میں اہل وعیال کی محبت مخل نہ بن سکی، حوادثات رخنہ انداز نہ ہو سکے؛ چناں چہ، یکسو ہو کر آستانہ معرفت سامانِ تسکین مصلح الامۃ حضرت شاہ صاحب کے دامن سے مربوط ہو گیا اور لمبی مدت تک آپ کی بکریاں اور دیگر کام کاج کرتا رہا۔

خمیر باطن کا انکشاف

ایک روز آپ بکریا چرا رہے تھے حضرت شاہ صاحبؒ موجود تھے اسی اثناء ایک جوگی زعفران پوش چلم پیتا ہوا گزرا، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: دیکھو حنیف! جوگی ہونا کتنا آسان ہے، حضرت والا نور اللہ مرقدہ نے برجستگی سے یوں کہا کہ حضور والا جوگی ہونا نہیں، جوگی بننا آسان ہے، زعفرانی رنگ لگا کر مالا والا گلے میں پہن لیا جائے اور ہاتھ میں تسبیح لٹکا کر چلم لگا لیا جائے بن گئے جوگی، یہاں تو دھواں مل رہا ہے ابدی زندگی آخرت میں آگ سے استقبال ہوگا۔

اس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جدا ☆ اس کے احوال سے محرم نہیں پیرانِ طریق

کوچہ علم کا مسافر معلوم ہوتا ہے

حضرت شاہ صاحبؒ آپ کے اس جوہرانہ کلام کی وجہ سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کی بابت متفکر ہوئے کہ یہ صرف ایک دیہاتی ہی نہیں بلکہ فہم وفراست کا مرکز محسوس ہوتا ہے، یہ ایک قیمتی دھات ہے جسے تراشنے کی ضرورت ہے گویا زبان حال سے شاہ صاحبؒ نے گنگنایا

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو ☆ ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے ادھر موڑ

فرمایا: حنیف! تم حضرت حکیم الامتؒ کا مرتب کردہ ''علم دین کا اردو نصاب'' پڑھ لو تا کہ علم سے کچھ آشنائی ہو جائے۔

ذکاوت کی ایک بو

چناں چہ شاہ صاحبؒ نے کتاب ہذا کی تحصیل کے لیے آپ کو ایک استاذ کے سپرد کر دیا

آپ نوراللہ مرقدہ کے علمی اور لاجواب سوالات کا استاذ صاحب تحمل نہ کر سکے اور دامن جھاڑتے ہوئے شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ طالب علم ایسے ایسے سوالات کرتا ہے کہ اس کی جواب دہی میرے لئے امر مشکل ہے،علم کا ایسا سمندر اس کیلئے درکار ہے جس میں یہ غوطہ زن ہو سکے ،سچ ہے:

اس بحر بے کراں کا ساحل نہیں کوئی

اس متحیر العقول واقعہ سے حضرت شاہ صاحب کا آپ کی بابت تاثر مضاف ہو گیا؛ چنانچہ، جوہر شناس ذات حضرت مصلح الامتؒ نے بہ خوبی سمجھ لیا کہ یہ غیر معمولی ذہن کا حامل ابن آدم ہے، نصاب عربی کی تعلیم اس بندہ خدا کے لیے چنداں مشکل نہ ہوگی، پھر تو نصیبہ جاگا اور اس نایاب ہیرے کی تہذیب واصلاح کیلئے حضرت حلیم الامت مولانا عبدالحلیم صاحب نوراللہ مرقدہ کا انتخاب عمل میں آیا اور آپ سیر ہو کر اس خرمن علم سے ایک مدت دراز تک خوشہ چینی کئے، گویا یوں کہتے ہوئے آسمانِ علم کا سفر شروع کر دیا۔

جستجو میں چل پڑے منزل کی پھر کیا سوچنا ☆ مرحلے مشکل سہی آساں مگر ہو جائیں گے

کیا لوگ تھے جو گزر گئے راہ وفا سے

اس کے بعد ذہانت وفطانت کے ایسے سوتے کھلے کہ ایک ہی سال میں قافیہ وشرح جامی کی منزل کو بآسانی عبور کر لیا؛ حتی کہ صرف تین سال کی قلیل مدت میں دورہ شریف کی نوبت آ گئی۔

دامن شیخ کافی ہے

نصاب عربی کے سال نہائی دورہ شریف کی تعلیم کے لیے گلستان علم، عظیم درسگاہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے سند فراغت کے حصول کے لیے مصلح الامہ حضرت شاہ صاحبؒ نے پیش کش کی، کہ تم چاہو تو مظاہر العلوم جا سکتے ہو اور چاہو تو یہیں رہ جاؤ، آپ نے بلا تردد وتذبذب دامن شیخ سے وابستگی کا فیصلہ کیا اور کتبِ دورہ شریف آپ کی نگرانی میں پڑھا۔

نرالہ طالب علم

حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ''بخاری شریف'' میں نے حضرت شاہ صاحب سے ۱۲ر مرتبہ پڑھی اور کبھی کہتے کہ ۱۶، ۱۷ سال میں نے ''بخاری اور فتح الباری'' سبقاً سبقاً پڑھا ہے،

قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسی ذات کی علمی پختگی اور جلالت شان میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔ سچ ہے۔

علم وفن سے عشق تھا جن کی طبیعت کا خمیر

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ خدمت شیخ میں بیتے لمحات کا تذکرہ کرتے کرتے کبھی آبدیدہ ہوجاتے اور فرماتے کہ: حضرت کی توجہات کا یہ حال تھا کہ میری اصلاح وتربیت کے لیے مجھے ہم مشربوں میں سب سے زیادہ مارا اور بھگایا جاتا تھا؛ لیکن عمر کے آخری دس سال آپ کے مطمئن ہونے کے سبب ڈانٹ پھٹکار کا واقعہ کم پیش آیا اور شاہ صاحب ان آخری ایام میں فرماتے: اب میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم صحیح ہوگئے ہو، یہ کہکر حضرت مفتی صاحب آنکھیں اشکبار ہوجاتیں۔

وطن واپسی

حضرت شاہ صاحب کے سانحہ ارتحال کے بعد آپؒ جونپور تشریف لائے اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی نگرانی میں مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں بعدہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی ایک مدت دراز تک علمی خدمت انجام دیتے رہے آپ کی خدمت جلی نے بڑے نقوش نقش کئے، ایک احسان مند انسان جس کو ہرگز نسیان کی نذر نہیں کرسکتا، حقیقت یہ ہے کہ مدرسہ ریاض العلوم اگر لعل وگہر کا ایک خوبصورت قلادہ یا کباز تھا تو آپ کا وجود اس کے لیے مثل دل کے تھا۔

مدرسہ ہذا سے استعفیٰ کے بعد آپ مدرسہ بیت العلوم سرائمیر کوچ کر گئے اور طویل عرصہ اس علمی صحن میں سایہ فگن رہے اور خرمن درس سے علم ومعرفت کا پھول وپھل عطا کرتے رہے، بعد ازاں تقدیر الٰہی کا فیضان ہوا اور خمیر نے اپنے مرکز اصلی کو عود کیا، قبل اس کے آپ قریہ قریہ، بستی بستی علم نبوی کا یہ صندوق بازو پر لیے پھرتے رہے؛ لیکن اس قیمتی جوہر کی قیمت فقط سمجھنے والوں نے سمجھا، میں تو صرف بہ زبانِ آں اس درد کے قریب پہنچ اور پہنچا سکتا ہوں۔

کتنا زخموں کے چراغوں سے سجایا دل کو☆ پھر بھی ناچیز کسی آنکھ کا تارا نہ بن سکا

آخری آرام گاہ

تفصیل سے قطع نظر بس اتنا کہنا کافی ہوگا کہ آپ نور اللہ مرقدہ عمر عزیز کے آخری ایام اپنے خلیفہ اجل حضرت اقدس شاہ مولانا مفتی لئیق احمد صاحب دامت برکاتہم کے یہاں مادر علمی مدرسہ

دارالابرار میں مقیم رہے،اس درمیان بندہ نے آپ کی عادت وخصلت اور نادیدہ خصوصیات کا مشاہدہ کیا اور چند گہرے نقوش بذریعہ واسطہ وثیق سماعت کیا، جو درج ذیل مختصر اقلمبند کیے جاتے ہیں۔

قلندرانہ ادائیں سکندرانہ جلال

آپ اپنے علمی وجود میں رومی ورازی اور قاسم ورشید تھے،جس کی وجہ سے علاقہ ہائے اعظم گڑھ اور خطہ دیگراں کا دل ودماغ آپ پر مرکوز تھا،معرفت کا یہ عالم تھا کہ شاید علمی برادری کا کوئی فردِ گوشہ نشیں آپ کی شخصیت سے نا آشنا ہو،عوام بھی آپ کی زیارت کے لیے جوق در جوق آیا کرتے تھے اور ارباب لوح وقلم بھی ٹولی درٹولی بغرض استفادہ واستفاضہ حاضر خدمت ہوتے، آپ سنجیدہ مزاجی اور عجز وانکساری کے پتلا تھے جس کی وجہ سے ہر کس وناکس آپ سے قرب کا خواہاں ہوتا؛ تاہم رعب ودبدبہ اور شان وشوکت کا یہ عالم تھا کہ نو وارد چہرے کے رعب سے متاثر ہوتا،ان تمام صفات ِ حمیدہ کیساتھ آپ کی ایک خاص صفت یہ تھی کہ،میدان شریعت میں بے احتیاطی سے متنفر ہوتے مزید شِکوہ جلال میں کبھی تنبیہ فرماتے۔

چشم دید منظر

ایک روز ملاقات کے لیے ایک شخص حاضر ہوا سر پر ٹوپی معدوم تھی،لباس شرعی کا کوئی اثر نمایاں نہ تھا، چہرہ پر داڑھی ندارد تھی، آپ نے کراہت کا اظہار کیا اور ہداہت کرتے ہوئے کہا کہ اگر اسی ظاہری حال میں انتقال ہوگیا اور تم سفر میں ہو تو اسلام اور دیگر مذاہب کے مابین تمہارے لیے معیار فرق کیا ہوگا۔

درس وتدریس پر ایک نظر

آپ نے دنیا ومافیہا سے سبکسار ہو کر علمی مشاغل کو اپنا پیرہن تجویز کر رکھا تھا، درس وتدریس میں اس درجہ شغف، گویا علم ہی روح کی غذا اور دل کی دوا ہے، زمانہ علالت اور بستر مرگ پر فریش ہونے کی حالت میں راقم الحروف نے بارہا منظرِ درس کا ان آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے،آپ کی خاص صفت تھی کہ آپ مصنف کی عبارت سے حل عبارت کرتے تھے،طویل کلام سے گریز کرتے ہوئے عبارت کا ایسے انداز میں ترجمہ کرتے کہ عموماً مختصر الفاظ میں صاحب کتاب کی مراد واضح ہو جاتی، علاوہ ازیں درسیات سے دلچسپی کا یہ حال تھا اکثر اوقات درس وتدریس میں گزر جاتے؛ چناں چہ شاہ

صاحب رحمہ اللہ کے یہاں شب وروز میں ملا کر گا ہے۱۴،۱۴/کتابوں کا درس دینے کا موقع آیا، آپ دلچسپی اور شوق وذوق کیساتھ اس موقع کو عملی جامہ پہنا کر اس کار ہائے گراں کو انجام دیا ہے۔

شرف تلمذ

سال اول کی بادِ بہار سے ہم طلبہ ''عربی اول'' لطف اندوز ہو رہے تھے اور ''شرح ماۃ عامل'' کا افتتاح ہونے والا تھا اتفاق یہ کہ اسی دوران حضرت والا مدرسہ میں مقیم تھے، احباب نے مناسب سمجھا اور حضرت والا سے ''شرح مائۃ عامل'' کا افتتاح کرایا، بعدہ کچھ دن گزرے تھے کہ ''مالا بدمنہ'' اور ''مختصر القدوری'' کے متعدد صفحات سبقا سبقا پڑھنے کا شرف اللہ تعالی نے عطا کیا، یقیناً اس نسبت تلمذ پر ہم اہلیان درس کو تا قیام قیامت فخر رہے گا، الغرض شاہ صاحب کی حیات میں آپ نے کسی دوسری در کا رخ نہیں کیا، آپ کے وصال کے ۶/سال بعد مولانا عبدالحلیم صاحب کی ردافت میں مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں بعدہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی زندگی کہ چند بہاریں گزاریں بعد ازاں مدرسہ بیت العلوم سرائمیر اعظم گڑھ کے علمی چھاؤں میں عمر کی چند اینٹ پردہ خاک مستور ہوئیں، پھر بہ تقدیر الٰہی مادر علمی مدرسہ دارالابرار کیفی روڈ پھول پور اعظم گڑھ منتقل ہو گئے اور ابدالآباد کے لیے اسی خاک میں، 'پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا' کے مطابق آخری نیند سو گئے۔

کڑے سفر کا تھکا مسافر تھکا ہے ایسا کہ سو گیا ہے

اس دوران افادہ واستفادہ کا ایک طویل سلسلہ ہے جو بسبب عجز خارج از قیدِ لسانِ قلم ہے، بارگاہ صمد سے امید کامل ہے کہ یہی خدمات جلیلہ اصحاب بہشت کی ہمرکابی کے لیے کافی ہو۔

فقہ وفتاوی

آج کیوں ہے بزم میں رندوں کی آنکھیں اشک بار
روح کو صدمہ جانکاہ دل ہے سوگوار
ہر بشر کا ہے یہاں قلب وگریباں تار تار
تیرے جانے سے ہے کیوں محفل کی محفل بیقرار
کارناموں کو تیرے ہرگز بھلا سکتے نہیں
دل سے تیری یاد ہم ہرگز مٹا سکتے نہیں

یوں تو تمام علوم اسلامیہ میں آپ کو دست آگہی، بدرجہ اتم بصیرت اور عمق تھا؛ لیکن فن فقہ اور فتاوی نویسی میں آپ کے اندر اکمل درجہ پختگی من جانب اللہ ودیعت تھی، ہم عصر علمائے کرام، مفتیان عظام اور فتوی نگاروں پر ایک گونہ فوقیت رکھتے تھے، جزئیات کا ہر آن استحضار، فقیہانہ بصیرت اور تفقہانہ شان اس حد تک محکم ومعروف کہ فقیہ النفس اور مفتی اعظم جیسے القاب وآداب سے بجا طور پر ملقب ہوئے، مسائل کو دلائل کیساتھ استخراج کرنے میں ایسا تبحر کہ مستفتی اور خصوصا مد مقابل اس بادہ کش علم کی در سے بامراد اور سر تسلیم خم کرتے ہوئے لوٹتا۔ اس امر محقق کی تائید کے لیے ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر عاریت لیتا ہوں:

فروغ کہکشاں کو ناز ہے جن کی جبینوں پر☆ یہ تلقینِ خودی پیدا کی وہ نوجواں تو نے

دارالعلوم دیوبند سے ایک تحریری سلسلہ گفتگو

یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ، دارالعلوم دیوبند کا ''شجرہ معروف'' علم ومعرفت، استعداد وصلاحیت، صالحیت ونیکوکاری سے پُر شخصیات پر مشتمل تھا؛ علاوہ ازیں شعبہ دارالافتاء برصغیر کے علمی کواکب، اپنے فن کے شمس وقمر، دلائل وبراہیں کے آفتاب وماہتاب اور آسمانِ علم فقہ کے انجم وثریا کو محیط تھا۔ مثلا مفتی اعظم فی الہند، فقیہ الملت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحبؒ مرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ جیسی اعلی ترین ہستیاں اس شجرہ برگ پوش کی پاسبان تھیں؛ لیکن ان تمام کے مابین آپ کا ایک مقام مرتبہ اہل خانہ فن (دارالافتاء دیوبند) کی جبیں پر ثبت تھا، شاعر مذکور کا ایک کلام بربط دل سے نکل کر رشحات قلم سے آپ کی منقبت میں کچھ کہنے کا داعی ہے کہ

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر☆ فطرت کا ہے ارشاد کہ ہر شب کو سحر کر

بہر کیف واقعہ یوں ہوا کہ ایک مستفتی نے باب الوقف کے کسی مسئلہ کے بابت دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ اخذ کیا اور اسی مسئلہ کی توثیق وتائید کے لیے شخص مذکور نے حضرت مفتی صاحبؒ سے وضاحت طلب کیا، فروعات وجزئیات میں بصیرانہ عنصر اور کلیات واصول میں دقت نظری نے تحریر میں موجود موقف، سے الگ موقف کا اظہار کیا، بتدریج یہ خبر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند پہنچی، جانبین سے اپنے نتیجہ استخراج پر دلائل وبراہین کی روشنی میں ایک مدت تک تحریری گفتگو کا تار لگا رہا۔ پہلا جوابی خط تقریباً ۱۲؍صفحات پر مشتمل آپ تک موصول ہوا، آپ فرماتے تھے کہ اصالۃ حق اور اظہار حق

کے لیے ۸؍روز تک مسلسل ماکولات ومشروبات سے بے خیال ہوکر ۸۰؍صفحات پر مشتمل ایک جوابی تحریر روانہ کیا، بالآخر انکشاف صواب کے بعد اکابرین دارالعلوم دیوبند نے بندہ کے موقف سے ہم آہنگی کا اظہار کیا۔ یقیناً یہی ہمارے اسلاف واخلاف کی پہچان اور شان ہے جوان کے دنیائے فانی سے رخصت ہوجانے کے بعد بھی حیات جاودانی اورعزت ووقار کو باقی رکھتی ہے۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ ☆ سرمہ ہے میری آں کھ کا خاک مدینہ

اورنسبت حقیقی سے قطع نظر ایک منظوم کلام ودیعت کرتا ہوں۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

تواضع،کسرِنفسی اورسادگی

آپؒ کی سب سے مؤثر اور لبھانے والی ادا یہ تھی کہ آپ تواضع،انکساری مسکنت اورفروتنی کے جبال تھے باوجود اس کے کہ،آپ مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں شعبہ دارالافتاء اور مدرسین کی صدارت بلکہ؛مفتی اعظم کے منصب جلیل پرایک طویل زمانے تک فائز تھے،اہل اللہ کی جماعت کے روح رواں تھے،اس اعلی مقام انسان کی یومیہ زندگی جائزہ لیا جائے تو متانت سے سے بھری پڑی معلوم ہوتی ہے نہ کوئی آن نہ بان نہ شان،آپ جانوراور مویشی کے شوقین تھے ان کے چارہ اور کھانا انتظام خود کرتے،آپ کا اخیر زمانہ نگاہوں سے گزرا ہے،اس گنہگار آنکھ نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ آپ اس پیرانہ سالی کے عالم میں کمرہ کی صفائی وستھرائی کرلیا کرتے تھے اور کپڑا بقدرضرورت رکھتے تھے جو ازخود دھولیا کرتے مہمان نوازی جذب وشوق سے فرماتے،ساتھ ساتھ انتظامی امور میں آپ بہت محتاط رہا کرتے تھے۔

ایک دھوپ تھی جوساتھ گئی آفتاب کے

مدرسہ ریاض العلوم میں تدریس کے زمانہ میں قافلہ عربی ادب کے سالار،کشتی عربیت کے ملاح دارالعلوم دیوبند کے شعبہ مقالہ نگاری کے مؤسس شیخ الادب حضرت مولانا وحیدالزماں صاحب کیرانویؒ بغرض ملاقات تشریف لائے مسمی سے ناواقفیت کی بناپرآپ کی نسبت معلوم کیا (مدرسہ کا محدث کبیر،صدرمفتی اورصدرمدرس کے عہدے پرجلوہ گر شخصیت لنگی،بنیائن میں ملبوس چوپائے کے

لیے ہاتھ میں گھاس لیے آرہا ہے) کسی نے کہا کہ حضرت والا یہی آرہے ہیں؛ یہ حیران کن منظر دیکھ کر شیخ الادب بہت متاثر ہوئے۔

علم کی زرخیز سرزمین خطہ اعظم گڑھ میں کسی وقت محدث کبیر حضرت مولانا مفتی محمد سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتہم کی آمد ہوئی آپ حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کے خواہش مند تھے اتفاق سے جس مجلس میں آپ تشریف رکھتے تھے اسی میں کسی سے استفسار کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت مفتی صاحب یہی تو ہیں آپ فورا اٹھ گئے اور دوبارہ مصافحہ کر کے جو گردن جھکائے تو پھر اٹھا نے کی تاب نہ لا سکے،اس کی وجہ شاید وہ واقعہ ہو جو تحریری گفتگو کے زمانہ میں پیش آیا تھا؛ کیوں کہ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے آپکی تحریری گفتگو نے آپ کی وجاہت علمی کو جریدہ عالم پر ثبت کردیا تھا۔اسی سادگی کی وجہ سے نو وارد عموما آپ کو عامی سمجھتا تاہم حقیقت یہ ہے کہ

جو بیت گئے وہ، زمانے نہیں آتے ☆ آتے ہیں نئے لوگ پرانے نہیں آتے

بیعت وارشاد

آپ رحمت اللہ علیہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سیراب کردہ گلستان میں نشو ونما پانے والے خوشبودار پھول مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ کی مہکدار پنکھڑی تھے۔

اس فیض باطن کو آپ نے چہاردانگ عالم میں بقدر استطاعت درس وتدریس، وعظ ونصیحت اور فقہ وفتاوی کے ذریعہ خوب عام کیا اور پھیلایا؛ لیکن خلافت واجازت کا سلسلہ مختصر رکھا؛ چناں چہ،آپ سے اجازت یافتہ اور تربیت یافتہ افراد کی تعداد کل تین تک پہنچتی ہے۔

(۱) شیخ طریقت حضرت اقدس شاہ مولانا مفتی لئیق احمد صاحب ادام اللہ فیوضہ وبرکاتہ بانی ومہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ دارالابرار کیفی روڈ پھولپور اعظم گڑھ

(۲) جناب حاجی محمد شکیل احمد صاحب ممبئی

(۳) جناب وقار احمد صاحب ہائی کوٹ جج الہ آباد

کس مصلحت کے پیش نظر آپ نے اس طریق کو وسیع تر نہیں کیا واللہ اعلم۔تاہم ظنی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ نے اس سلسلہ کار کے قائد ورہبر استاذ گرامی حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی موجودگی میں اپنا خانقاہانہ مزاج نہیں بنایا؛ کیوں کہ،استاد محترم سے یہ ضرورت پوری ہورہی تھی؛اسی

لیے آپ کی موجودگی میں اس غرض سے آنے والے تشنہ لب حضرات کو استاذ گرامی قدر کی خدمت میں رہنمائی کر دیا کرتے تھے۔ یقیناً یہ آپ کی اعلی درجہ ذہانت وفطانت اور اعلیٰ ظرفی کی بات ہے۔

قابل رشک رحلت

آبگینہ قلوب میں احساس تک نہ تھا کہ لمحوں میں ایک ایسا حادثہ عظیم رونما ہونے والا ہے جو اپنے بعد پُرنم آنکھیں، مضطرب دل، اور پُر نہ ہونے والا خلا چھوڑ جائے گا؛ لیکن تقدیر کا فیصلہ سبقت کر گیا اور گلستان برگ وبار کی سرمستیاں سرد پڑ گئیں، مسرور چہرے کی رونق مایوس ہوگئی، قلب مطمئن کو بے سکونی کی امواج نے متزلزل کر دیا اس طرح علم وحکمت کا یہ روشن چراغ اور عاشق دین روز جمعہ گزار کر یک شنبہ کے اول پہر ۸:۴۰ پر خوشبو بہ داماں اپنے خالق ومالک کی ملاقات کے لیے اس عالم ارضی کو الوداع کہتا ہے۔

نماز جنازہ

یہ سانحہ پیش آتے ہی دور دور تک متعلقین ومتوسلین کو اشک بار کر گیا؛ تا آں کہ تجہیز وتکفین میں عوام وخواص کا ایک جم غفیر بشکل ہجوم حدیث نبوی ’’ما من مسلم یموت فیصلی ثلاثة صفوف من المسلمین الا اوجب‘‘ کے مطابق عنداللہ مقبولیت کا اعلان کر رہا تھا۔ نیز آپ کے خلیفہ ومجاز حضرت اقدس شاہ مولانا مفتی لئیق احمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور وصیت کے مطابق مدرسہ ھذا میں جنوبی سمت تدفین عمل میں آئی، مجمع کے کثیر ہونے کے سبب قبر کی مٹی مکرر اور سہ کرر استعمال کی گئی اس طرح آخری چند سالہ قیام گاہ کو تا قیام قیامت آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ کڑے سفر کا تھکا مسافر تھکا ہے ایسا کہ سو گیا ہے اور پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا، کے مصداق ہوئے۔

اظہار حقیقت

معلومات کی پوجی مختصر ہونے اور اختصار کی ڈور کے مضبوط ہونے کے سبب مزید اضافہ سے عاجز ہوں، علاوہ ازیں قلم کا یہ مسافر لفظی پیرہن میں جہاں تک مواد کا جسم تیار کر سکا یہ سب کچھ استاذِ محترم حضرت اقدس شاہ مولانا مفتی لئیق احمد صاحب کے نتیجہ یادداشت کا خلاصہ ہے، آپ کی دیرینہ آرزو وتمنا تھی کہ مرشد ومربی حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کے حالات زندگی کو بغرض علاج ظاہر وباطن، مرتب کیا جائے تاکہ بھولی بسری تسکین بخش یادیں لوح قلب پر تازہ ہو جائیں، جو ناقص

ہی سہی بہ فضل اللہ تعالیٰ زیرنظر رسالہ میں مرقوم ہے، کریم ذات باری سے بندہ عاجز دعا گو ہے کہ یہ طالب علمانہ کوشش اہل عرش وفرش کی عدالت میں سند قبولیت سے ہم کنار ہو مزید سوانح کی شکل میں آپ کے حالات زندگی کو بروئے کار لانے کی توفیق نصیب ہو۔آمین

مختصر تعارف نامہ

تاریخ وفات ۲۶/جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۸/مارچ ۲۰۱۴ء

اسم گرام محمد حنیف

والد کا نام محمد ذاکر علی

جائے پیدائش جمد ہاں

ابتدائی تعلیم چپٹا پور ضلع جونپور

کتب متوسطات:

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نوراللہ مرقدہ

کتب نہائی: مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فتح پوری

سندفراغت: آستانہ شیخ ظاہروباطن مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہؒ صاحب فتح پوری

تربیت: مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فتح پوری

اصلاحی تعلق: مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فتح پوری

تدریسی خدمات ۶۵/سال

زوجہ: (۱)

اولاد: دوصاحب زادے جناب عبدالودود صاحب، جناب عبدالرؤوف صاحب اور چار صاحب زادیاں۔

نماز جنازہ: ۲۸/مارچ ۲۰۱۴، بروز یک شنبہ ۱۱/بجے دن

☆-----☆-----☆

قسط/۱

الحاج مولانا محمد میاں صاحب افریقی

مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ

تقریباً چالیس سال کا عرصہ گزرتا ہے کہ گجرات کا ایک نوجوان طالب علم، خوبرو، جوان رعنا، چوڑا چکلا سینہ، بڑی بڑی آنکھیں، گنجان ابرو، رئیس زادہ؛ لیکن عادات وخصائل میں فقر پسند، دل کا غنی، دماغ کا بادشاہ، ایمان راسخ اور عمل صالح کی دولت لئے ہوئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا، نووارد نے دارالعلوم کے اساطین علم وکمال پر نظر ڈالی، اور کچھ فطری کشش کی بناء پر اس کی نظریں اس صدی کے ایک جلیل القدر علامہ، یادگار سلف، آیت من آیات اللہ سیدنا الامام مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم پر جاٹھہریں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مثالی علم وفضل، زہد وتقوی، جاذب شخصیت لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی تھی؛ لیکن مطالعہ کے انہماک اور درس وتدریس کے مشاغل نے ان کی شخصیت کے حدود اربعہ میں ایسے خاردار تار کھینچ دیئے تھے جس کی وجہ سے ان سے قریب ہونا ناممکن ہوگیا تھا، پھر فطری استغناء کی بناء پر اس کی کیا گنجائش تھی کہ گجرات کا ایک رئیس اور متمول شخص صرف اپنے مال و منال کی وجہ سے قریب ہوسکے؛ لیکن قدرت کے طے شدہ فیصلوں کو کون بدل سکتا ہے" **الارواح جنود مجندۃ** "کا مظاہرہ اس کائنات کی کھلی چھاتی پر ہمیشہ اس طرح ہوتا رہا کہ مشرق ومغرب کے فاصلے، جنوب وشمال کی حد بندیا، کالے وگورے کی تمیز، عربی وعجمی کا امتیاز اس میں کبھی بھی حائل نہ ہوسکا۔

بہرحال اس نوجوان نے بارگاہ انوری میں شوق ورغبت کے ساتھ قدم رکھا اور عجیب بات ہے کہ پہلے ہی لمحہ میں اپنی گوناگوں فطری صلاحیتوں سے شاہ صاحب مرحوم کے خصوصی التفات کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا، چالیس سال قبل کا تعلق، شاہ صاحب مرحوم کی زندگی میں جس طرح قائم تھا آج نصف صدی گزرنے کے باوجود شاہ صاحب مرحوم کی اولاد اور متعلقین سے اسی طرح قائم ہے، حالانکہ طوفان برق وباراں نے درختوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا، چٹانوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی، سمندروں کی روانی خدا جانے کتنی بار رکی، رک کر بڑھی اور سیلاب کی شکل میں اسکول کو اجاڑتی ہوئی، عمارتوں کو گراتی ہوئی آگے نکل گئی، نئی عمارتیں بوسیدہ ہوگئیں، پرانے محلات کھنڈرات کی شکل میں منتقل ہوگئے۔

غرضیکہ کائنات کے گوشہ گوشہ میں، تغیر وتبدل کے نشان ابھرے اور اپنے پیچھے اپنے آثار چھوڑتے ہوئے نکل گئے، لیکن گجرات کے اس طالب علم کا تعلق چالیس سال کے طویل عرصے میں بھی اسی طرح جوان، ویسا ہی شاداب وتازہ اور رنگین نظر آتا ہے، جس پر زمانے کے انقلابات کا کوئی اثر نہیں، حوادث، تغیرات کا کوئی تاثر نہیں، وہ اب ہندوستان سے بہت دور صحرائے افریقہ میں ہے؛ لیکن اس کی دل کی دھڑکنیں مرحوم شاہ صاحب کے نام شروع ہوتی ہیں، اور ان کے اہل وعیال کے غم ودل سوزی میں بڑھ جاتی ہیں، مسلمانوں کے زبوں حال طبقہ میں آج اس کا شمار ایک بڑے رئیس زبردست متمول انسان کی حیثیت سے ہے؛ لیکن اس کی سعادت ونجابت، کریم النفسی، غربت پسندی میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا، اس کے لئے آج بھی سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ دامان انوری کا ایک خوشہ چین، اور بارگاہ انور کا ایک ادنی خادم ہے جو اپنی پوری سعادت کے ساتھ، دین ودنیا کا حامل، آخرت کا توشہ، نجات کی علامت، کامرانی کا نشان اپنے استاذ کا تعلق سمجھتا ہے، یہ کون ہے؟ قلم نے جس کے متعلق بہت کچھ لکھنے کے باوجود فیصلہ کیا ہے کہ اب تک نہ اس کا مکمل تعارف ہو سکا اور نہ اس کی اولوالعزمیوں کی صحیح تصویر کھینچی جا سکی، یہ شخصیت مولانا محمد میاں ابن موسیٰ سملکی مقیم حال افریقہ کی ہے، ان کے متعلق مختصر یہ کہ مرحوم حضرت شاہ صاحب کا جب سانحہ پیش آیا تو ان کی ساری اولاد کم عمر اور پرورش وتربیت کی محتاج تھی، اور دولت جو کشمیر کے ایک عالم نے چھوڑی تھی اس کی تفصیل یہ ہے کہ غسل کیلئے جب لباس اتارا جارہا تھا تو دو روپئے چاندی کے، کھدر کی بنڈی کی جیب سے نکلے تھے، اس کے علاوہ نہ کوئی سرمایہ تھا، نہ دولت، متاع تھی نہ مال وزر، زمین کے قطعات تھے نہ سامان واشیاء کے انبار، اس بے کسی، بے سروسامانی کے عالم میں، ایک بیوہ اور پانچ بچوں کی بے بسی کے منہ میں ڈال کر، اس خاکدان ارضی سے، کشمیر کا یہ عظیم انسان اٹھا، اور اگر غور سے کام لیا جائے تو یہی ہونا بھی چاہئے تھا، اگر فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے والد ماجد فداہ روحی، اس کائنات سے اس طرح تشریف لے جا سکتے ہیں کہ نہ اثاثہ، اور نہ ترکہ، نہ دولت کے انبار اور نہ گرانمایہ اشیاء کے ذخیرے، تو بلاشبہ، علماء کے خیل میں اس شخص کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت وخلافت کا کوئی حق نہیں ہے جس نے اپنے پیچھے متاع دنیوی کے ذخیرے چھوڑے۔

بہرحال مجھ کو تو کہنا یہ تھا کہ حضرت شاہ صاحب کے سانحہ وفات کے بعد، مسبب الاسباب کی چارہ سازیوں کے قربان کہ بے کسی وبے بسی میں، راحت وآرام کی جو سبیل پیدا فرمادی خدائے

کائنات کے بعد اپنی زندگی کی پوری عمر اس میں صرف دو ہی ہاتھ کارفرما نظر آتے ہیں، ایک والدہ صاحبہ محترمہ اور دوسرے انہیں حاجی محمد میاں صاحب کی شخصیت، جن کی عنایت اور جن کے تعاون نے قدم قدم پر ساتھ دیا اور زندگی کی ہر ضرورت میں اپنی شاندار روایات کے ساتھ سامنے آئے، سوچنے اور غور کرنے کے باوجود، زندگی کے تمام نشیب وفراز، مراحل ومنازل میں، ایک موقع بھی ایسا یاد نہیں آتا کہ اس مخیّر انسان کی عنایت سے ہم محروم رہے ہوں، شادی وغمی، خوشی وناخوشی، بیماری و صحت، ضرورت اور بے ضرورت جب کبھی بھی، نظر اٹھی، تو مولانا محمد میاں کی توجب چشم براہ تھی اور اس مستعدی کے ساتھ ہماری طرف بڑھ رہی تھی کہ گویا ہمارے ہی چشم وابرو کے انتظار میں، ایک با مروت انسان کی جیب میں یہ دولت عارضی لمحات گذار رہی تھی۔

اور پھر یہ داد ودہش کا معاملہ صرف ہمارے ہی ساتھ نہیں ہے؛ بلکہ ان تمام لوگوں پر جود وکرم کی یہ بارش ہوتی رہی جن کے متعلق ذرا بھی یہ معلوم ہو گیا کہ شاہ صاحبؒ سے تعلق رکھنے والے یا ان کے پسماندگان سے روابط رکھتے ہیں، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے راقم الحروف کو درس دیا، معاوضہ حاجی محمد صاحب کی جیب سے ادا ہوتا اور تو اور پچھلے سال ہی صرف اس تمہید کے ساتھ اپنے محلّہ کی شکستہ مسجد کی تعمیر کی طرف توجہ دلائی کہ یہ وہی مسجد ہے جس میں شاہ صاحبؒ نماز ادا فرماتے تھے، عریضہ کے تحریر کی دیر تھی کہ پانچ سو روپے کی خطیر رقم اس کام کے لئے بھی مل گئی، دیوبند میں انوریہ لائبریری مرحوم حضرت شاہ صاحبؒ سے ایک انتساب رکھتی ہے، یہی انتساب وتعلق، حاجی صاحب محمد میاں کے لئے کشش وجاذبیت کا باعث ہے، سال کے کسی نہ کسی حصہ میں اتنی امداد اس دارالمطالعہ کی ضرور ہو جاتی ہے جس سے اس کا وجود قائم رہے، ان تمام احسانات وحسن سلوک کی فہرست میں سب سے زیادہ نمایاں خدمت اور جلی عنوان سے لکھی جانے والی کوشش جو حاجی صاحب کی ہے یہ ہے کہ آپ نے علامہ کشمیر علیہ الرحمہ کے علوم ومعلومات کی منظر عام پر لانے کی جدوجہد اس طرح کی کہ اس میں اپنا تن، من، دھن سب کچھ لگا دیا۔

جاری۔۔۔۔

انٹرویو:

مولانا عبدالباری ندویؒ

مولانا یونس نگرامی

جب کبھی مولانا سے ملاقات ہوئی دل نے ایک طاقت اور تازگی محسوس کی اور یہ اعتماد ہوا کہ ابھی چند مخلص بزرگ موجود ہیں جن کی رہنمائی اور مخلصانہ مشورے ساتھ رہیں گے۔اس وقت جب کہ یہ سطریں قلم بند کرر ہا ہوں مولانا کے وہ الفاظ جو اکثر و بیشتر میرے حق میں استعمال فرماتے ہیں یاد آرہے ہیں۔تو دل شرمندگی اور ندامت کے احساس سے ڈوبا جارہا ہے اور یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا میں واقعی اس محبت واپنائیت کا مستحق ہوں جتنا مولانا میرے ساتھ برتتے ہیں۔ بہرحال بقرعید کی نماز ہو چکی تھی ہر شخص ایک دوسرے کو مبارک باد دینے میں مصروف تھا اور میں مولانا کو تلاش کرر ہا تھا،تھوڑی ہی دیر بعد مولانا سے ملاقات ہوئی، خیریت دریافت فرمائی اور والد ماجد قبلہ کے بارے میں دریافت فرمایا کہ کوئی خط آیا کہ نہیں؟ (کیونکہ اس سال والد ماجد حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے) میں نے عرض کیا،مولانا کل کسی وقت اگر آپ اجازت دیں تو حاضر ہوں، مولانا نے فرمایا بیٹے! تمہارے لئے کوئی وقت مقرر نہیں،جس وقت چاہو آسکتے ہو، میں نے عرض کیا نہیں مولانا، مجھ کو تو کوئی ایسا وقت چاہئے جس میں آپ کے مشاغل میں کوئی حرج واقع نہ ہو،مولانا نے فرمایا: اچھا تو پھر کل عصر کے بعد آجانا، دوسرے دن بعد نماز عصر میں مولانا کی کوٹھی میں داخل ہو رہا تھا، ہر طرف ایک سناٹا طاری تھا،لیکن مجھ کو اس سناٹے میں بڑا سکون محسوس ہوا، یہی وہ سکون کے لمحات ہیں جب انسان خاموشیوں اور سناٹوں میں اپنے دل کی آواز سن سکتا ہے اور اس کی زندگی کا سراغ پاتا ہے۔

جس وقت مولانا کے کمرے میں پہنچا مولانا عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، بعد نماز مولانا نے فرمایا: چلئے دوسرے کمرے میں،آپ سے باتیں ہوں، یہ کمرہ کتنا کشادہ اور ہوادار تھا،مسہری پر بیٹھے

مولانا نے فرمایا کس لئے آئے ہو؟ میں نے نے عرض کیا، انٹرویو کے غرض سے حاضر ہوا ہوں، میرے اس کہنے کے تھوڑی دیر بعد مولانا نے فرمایا ٹھیک ہے، میں اکثر سوچتا رہتا ہوں کہ جتنی کتابیں اور رسالے اور مضامین اس دور میں لکھے جا رہے ہیں شاید ہی کسی اور دور میں لکھے گئے ہوں اور حقیقت تو یہ ہے کہ مجھ کو ان چیزوں میں کوئی فایدہ بھی نظر نہیں آتا ہے، ذرا سوچو تو قبر سے لے کر حشر تک کہیں بھی یہ سوال ہوگا کہ تم نے کتنی کتابیں لکھیں؟ کتنے مضمون لکھے؟ کتنے رسائل نکالے یا یہ سوال ہوگا کہ تم نے کتنی نمازیں پڑھیں؟ کتنے روزے تم سے قضا نہیں ہوئے؟ کتنے لوگوں کو تم نے دین پہنچایا۔ میرے بیٹے! یہ باتیں عام ہیں لیکن تم سے اس لئے خصوصیت سے کہہ رہا ہوں کہ تمہارے پردادا مرحوم حافظ مولانا ادریس نگرامی کے میرے اوپر بڑے احسانات ہیں۔ جس وقت ندوہ کے حالات خراب ہوئے تو میں نگرام بھیج دیا گیا، اور میرا قیام وہاں چھ ماہ رہا، یہ چھ مہینے میری زندگی کے موڑ ثابت ہوئے، پھر جب نگرام سے ندوہ دوبارہ واپس آیا تو علمی انہاک اور دینی جذبات ساتھ لایا تھا، اسی حیثیت سے غور کرتا ہوں تو حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی زیادہ تمہارے پردادا مرحوم کے احسانات اپنے اوپر پاتا ہوں۔ اسی لئے تم سے کہہ رہا ہوں تمہاری منزل ابھی دور ہے اور ہم لوگ تم کو کسی اور جگہ پر دیکھنا چاہتے ہیں، اس کے علاوہ یوں بھی غور کرو کہ متکلمین نے کتنے کام کئے، امام رازی نے تفسیر کبیر لکھی، لیکن بتاؤ کہ اس سے کتنے لوگوں کو فایدہ پہنچا۔

ہاں! امام غزالی کو اس گروہ سے الگ کیا جا سکتا ہے کیوں کہ وہ متکلم کے علاوہ کچھ اور بھی تھے، لیکن ان متکلمین کے گروہ کے برعکس دیکھو تو نظر آئے گا کہ خواجہ اجمیری نے کتنا کام کیا، حضرت نظام الدین اولیاء کے ہاتھوں کتنے بندگان خدا سیدھے راستے پر پڑے، اس لحاظ سے غور کرتا ہوں تو موجودہ دور میں مجھ کو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک بہت غنیمت معلوم ہوتی ہے، ہاں میری ان باتوں سے یہ نہ سمجھنا کہ میں قلم کا قائل نہیں ہوں، میں اس کی ضرورت کو تسلیم کرتا ہوں، مگر فرض کفایہ کے طور پر اس دور میں کتابیں لکھنے کا اگر حق تھا تو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور لوگوں کو ان کی کتابوں سے فایدہ بھی پہنچا، میرے لیکن اصرار پر مولانا سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب مولانا تھانوی کی طرف رخ کیا تب ان کو معلوم ہوا کہ ہاں قلم کے علاوہ بھی دنیا میں کوئی چیز ہے اور وہ اس بات کا تذکرہ اکثر مجھ سے کرتے بھی رہتے تھے۔

بقیہ صفحہ/۳۸ پر

حاصل مطالعہ

جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

محمد فہیم قاسمی گورکھ پوری

قدیم زمانہ میں جب رومن امپرر ''کلوڈیوس'' نے ''بیٹوس'' نامی شخص کو پھانسی کی سزا دی تو تختہ دار پر پہنچ کر ''بیٹوس'' آہ وزاری کرنے اور معافی مانگنے لگا، جب اس کی بیوی نے یہ منظر دیکھا تو اس پر یہ بات بے حد گراں گزری کہ وہ اس وقت بزدلی کا مظاہر کرے، چنانچہ دوڑ کر جلاد کے پاس گئی وار خنجر لے کر اپنے سینہ میں آہستگی سے پیوست کیا اور خون بہتا ہوا منظر دکھلا کر اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ: گھبراؤ نہیں دیکھوں اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

عورتوں کی قوت تاثیر ہی کی وجہ سے جنگوں میں عورتوں کو لے جانے کا رواج رہا ہے تا کہ وہ جنگ کرنے والوں کو بہادری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے پر ابھارتی رہیں۔

معاشرہ میں خواتین کا علمی وادبی ذوق

اس سے بھی زیادہ بے خوفی، بہادری اور تماشہ میں جان دینے کی رسم کا تذکرہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی کتاب ''ہزار سال پہلے'' میں سلیمان ابن حوقل کے حوالے نقل کیا ہے۔

ایک پہاڑی زمین والوں کے پاس آیا، اور بانسوں کے ایک جنگل کے پاس ٹھہر گیا، اور سرے سے پکڑ کر ایک بانس کو اس نے جھکایا پھر اس میں اس نے اپنے سر کی چوٹی باندھ دی اور کسی سے کہا کہ بانس کو پکڑے رہو۔اس کے ہاتھ میں خنجر تھا، لوگوں سے کہا کہ میں اپنے سر کو اس خنجر سے کاٹ دوں گا، جس وقت یہ کر گزروں بانس کو چھوڑ دینا، میرا سر جو بانس کے ساتھ اوپر ہو جائے گا، دیکھنا کہ اپنے منہ سے قہقہہ لگائے گا۔

راوی کہتا ہے کہ:

یہ کہنے کے بعد واقعی اس نے سر کو خنجر سے جدا کر دیا، بانس چھوڑ دیا گیا،، سر اوپر ہو گیا، لوگوں نے تھوڑی دیر کے لئے قہقہہ کی آواز اس سے سنی۔

اس کا بیان ہے کہ اس پہاڑی نے زمین والوں کو چیلنج دیا تھا کہ اگر ہمت ہے تو اس تماشہ کو وہ بھی کر کے دکھائیں، لیکن ان میں کوئی اس پر آمادہ نہ ہوا۔اس قسم کے مزید دلچسپ واقعات بھی اس

کتاب میں درج ہیں۔ ہزار سال پہلے رص ر۱۱۱

خلیفہ ابوجعفر منصور کی شریک حیات ''حمّادہ بنت عیسیٰ'' کے متعلق ایک دلچسپ بات مورخین نے سند کے ساتھ یہ لکھی ہے کہ جب ''حمادہ بنت عیسیٰ'' کا انتقال ہوگیا اور اس کی تجہیز وتکفین کے لئے لوگ خلیفہ کے ساتھ جنازے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ اس کی تدفین عمل میں آ سکے حاضرین میں مشہور لطیفہ باز اور مضحکہ خیز انسان ''ابودلامہ'' بھی موجود تھا، اس دیکھ کر خلیفہ منصور نے قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابودلامہ سے کہا کہ تم نے اس گڑھے (قبر) کے لئے کیا تیار کیا ہے؟ یعنی موت کے بعد حالات سے نمٹنے کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ ''ابودلامہ'' نے اپنی غیر معمولی ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے برجستہ کہا کہ: میں نے اس گڑھے کے لئے ''حمادہ بنت عیسیٰ'' کو تیار کیا ہے۔ اس کے اس جواب پر سبھوں کو مقبرہ میں ہونے کے باوجود ہنسی آ گئی، کہ بادشاہ کے کلام کو پھیرتے ہوئے اس نے وہ بات کہہ دی جو کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا تھا۔ قبر تو واقعی ''حمادہ بنت عیسیٰ'' کے لئے تیار کی گئی تھی لیکن اس کی مراد کچھ اور ہی تھی۔ معاشرہ میں خواتین کا علمی وادبی ذوق رص ر۱۹۹

یہی ابودلامہ خلیفہ مہدی کے پاس آیا اور اس کی شان میں ایک نہایت ہی عمدہ قصیدہ کہا، مہدی نے خوش ہو کہا کہ اپنی ضرورت بیان کرو، تو اس نے کہا مجھے ایک کتا دے دیجئے، اس پر مہدی ناراض ہو کر کہنے لگا میں تم سے حاجت پوچھ رہا ہوں اور تو کتا طلب کر رہا ہے، اس پر ابودلامہ نے کہا کہ حاجت میری ہے یا آپ کی؟ مہدی نے کہا کہ تمہاری، ابودلامہ نے کہا کہ تو میں ایک شکاری کتے کا سوال کرتا ہوں، مہدی نے اسے شکاری کتا دینے کا حکم دیا، پھر ابودلامہ نے کہا کہ کیا میں شکار پیدل کروں گا؟ تو مہدی نے ایک سواری والے جانور کا حکم دیا، اس پر ابودلامہ نے کہا کہ اس کی دیکھ بھال کون کرے گا، تو مہدی نے ایک غلام دینے کا حکم دیا، پھر ابودلامہ نے کہا کہ شکار کر کے گھر لاؤں گا تو اسے پکائے گا کون؟ تو مہدی نے اس کے لئے ایک باندی کا حکم دیا، پھر ابودلامہ نے کہا کہ یہ رہیں گے کہاں؟ تو مہدی نے گھر عطا کرنے کا حکم دیا، پھر ابودلامہ نے کہا کہ جب آپ نے میرے گلے میں اہل وعیال کا طوق ڈال دیا ہے تو میں انہیں کھلاؤں گا کہاں سے؟ تو مہدی اسے کھجور کا ایک باغ دینے کا حکم دیا، پھر کہا کیا کوئی اور حاجت باقی رہ گئی ہے، تو ابودلامہ نے کہا کہ ہاں، مجھے اپنے ہاتھوں کو بوسہ لینے کی اجازت دے دیجئے۔

ثمرۃ الاوراق رص ر۲۷

غزل

بہت دنوں سے نہیں اپنے درمیاں وہ شخص
اُداس کر کے ہمیں چل دیا کہاں وہ شخص

وہ جس کے نقشِ قدم سے چراغ جلتے تھے
جلے چراغ تو خود بن گیا دھواں وہ شخص

قریب تھا تو کہا ہم نے سنگ دل بھی اسے
ہوا جو دور تو لگتا ہے جانِ جاں وہ شخص

اس ایک شخص میں تھیں دلربائیاں کیا کیا
ہزار لوگ ملیں گے مگر کہاں وہ شخص

وہ اس کا حسنِ دل آرا کہ چپ گناہ لگے
جو بے زباں تھے انہیں دے گیا زباں وہ شخص

یہ اس لئے کہ چمن کی فضا اداس نہ ہو
رہا ہے قیدِ قفس میں بھی نغمہ خواں وہ شخص

چھپا لیا جسے پت جھڑ کر زرد پتوں نے
ابھی تلک ہے بہاروں پہ حکمراں وہ شخص

ہمیں تو پیاس کے صحرا میں گنگناتے ہوئے
دکھائی دیتا ہے اک بحرِ بیکراں وہ شخص

قتیلؔ کیسے بھلائیں ہم اہلِ درد اسے
دلوں میں چھوڑ گیا اپنی داستاں وہ شخص

قتیلؔ شفائی